بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تلاش

کیپٹن سیف اللہ

فرطِ جذبات سے پھٹ جائے گا بندۂ مومن کا سینہ
ارشاد جب ہو گا یایتھا النفس المطمئنہ

# تلاش

میں نے تیری گلیوں میں ہر دم غم ہی پایا
اے دنیا تیری جھوٹی محبتوں سے بیزار ہوں

## کیپٹن سیف اللہ

آواز پبلی کیشنز
اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
رابطہ نمبر: 0333-5577993

**جملہ حقوق محفوظ ہیں**

| | | |
|---|---|---|
| کتاب | : | تلاش |
| شاعر | : | کیپٹن سیف اللہ |
| پروف ریڈنگ | : | عمر ہاشمی |
| تعداد کتاب | : | 500 |
| بار اوّل | : | جنوری 2020ء |
| قیمت کتاب | : | |

# ترتیب


| | | |
|---|---|---|
| حرفِ آغاز | کیپٹن سیف اللہ (حقیر بسمل) | 11 |
| ''تلاشِ منزل'' | ''احمد ستی'' | 13 |
| حقیر بسمل اپنی تلاش میں | پروفیسر اویس خالد | 16 |
| آئینہ | | 18 |
| رکھ دی ہے راہِ یار پہ جبیں اب تو | | 19 |
| وہ المالک القدوس السلام، میں نجس و ناپاک بندہ | | 21 |
| مال و متاع، آب و صبا، منزل و راہ ہے عشق | | 22 |
| خدا | | 24 |
| مکانِ دل کے مکیں تو کہاں ہے | | 30 |
| الرحمان الرحیم ہے عشق میرا | | 31 |
| وہمِ دہر سے پاک اپنی نماز ہو | | 33 |
| یہ جو عرش آج چیخ چیخ کر رو رہا ہے | | 35 |
| اگر رحمت کے سمندر روک لیے گئے | | 36 |
| اقبال کے شاہیں کس قدر ہو گئے نواب دیکھو | | 38 |
| اُدھر کیلئے بھی تھوڑا مال بچا لو | | 39 |
| مغرب زدہ مسلم | | 40 |
| دہشت گرد | | 42 |
| مغرب زدہ مسلم | | 43 |

| | |
|---|---|
| دلِ مسلم زنگ آلود ہوئے | 45 |
| داستاں ایماں فروشوں کی | 47 |
| بیت المقدس کے معاملے میں امت کی بے حسی | 48 |
| حکمراں ہمارے | 50 |
| وزیرستان | 52 |
| کشمیر | 53 |
| سوہنی دھرتی | 56 |
| دیس ہمارا | 57 |
| آج یہاں گنتی کے انساں باقی ہیں | 58 |
| بجلی میٹر کا پہیا ساکت کر دیا ہے | 59 |
| منافق راہیں ہمارے لیے اپنی آغوش کھولے ہوئے ہیں | 60 |
| خلوصِ نیت سے جو مے دعا پیا کرتے ہیں | 61 |
| دشمنوں نے کھیت سے ہمارے فصلِ بہار جلا ڈالی | 62 |
| نظر | 63 |
| دل | 64 |
| اُمید | 65 |
| شام | 67 |
| محبت | 68 |
| بندش | 69 |
| اُمید کا دیا | 70 |
| پھوپھی کی وفات پر | 72 |
| بے حیاؤ بے حیائی کے بازار اٹھالو | 74 |
| ہے میرے شہر میں سستی رسوائی بہت | 75 |

| | |
|---|---|
| مسیحا | 77 |
| فریاد | 78 |
| یہ جھوٹی محبت یہ جھوٹے پیاں چھوڑو | 83 |
| جب تک یہ سانس چلتی رہے گی | 85 |
| زنداں میں موت کے خدشات بھی ہوں گے | 87 |
| نہ یاروں کی نہ رشتہ داروں کی سازش ہے | 88 |
| داستانِ دردوالم بہت طویل ہے | 89 |
| تجھ سے گلہ کیسا یہ تو دستورِ زمانہ ہے | 90 |
| اس سے قبل کہ مایوسی دل پہ تمھارے دستک دینے لگے | 91 |
| خود کو تنہا پا کر یاروں کو ڈھونڈ تا ہوں | 92 |
| نفس کا غلام ہوں مجھے سلام نہ کر | 93 |
| دل کی بستی میں الفت کے خزانے آباد رکھنا | 94 |
| ہر شے سے اول ہر شے سے افضل ایماں رکھ دو | 95 |
| عجب درد ویکھیا پیاردا | 96 |
| دنیا کو دولت کی ہوالے ڈوبی | 97 |
| کسے نوں عشق اندروں ساڑ کے انگار کیتا | 98 |
| خداوانام سے نہ بخت وحالات سے | 99 |
| ہماری محبت میں وہ پہلی سی بات نہیں | 100 |
| انجمنِ دل کی رونق ان نوابوں سے ہے | 101 |
| ہجر کی قتل گاہوں میں لاکھوں دیوانے مارے گئے | 102 |
| ضبط کا بندھن ٹوٹ جائے تو ذرا رولینا | 103 |
| تمازتِ تنہائی میں سر پہ میرے اک سایہ انجاں سا | 104 |
| بادِ عشق پہنچ نہ پائی کبھی گلزاروں تک | 105 |

| | |
|---|---|
| ہمیں حالات سے مقدر سے گلہ کب تھا | 107 |
| قدم قدم پہ محبت کا ہم اظہار بہت کر چکے | 108 |
| خزاں کے دستے جب بھی گلستاں سے ٹکرا گئے | 109 |
| بہارِ وصل ہے اگر تو دردِ ہجر بھی ہے | 110 |
| جیتا ہے تو اگر تو ہم بھی ہارے نہیں | 111 |
| حاصلِ تقریر دیکھو لبِ تقریر نہ دیکھو | 112 |
| عشقِ ازلی کا جو نعرہ مار گئے | 114 |
| عشق کی پر کیف فضاؤں میں سو لے کوئی | 116 |
| شکستہ کونپلِ دل کو بہاروں تک چھوڑ آئے کوئی | 117 |
| میرے صحن کا پھول ہے نہ نجمِ آسماں ہے | 119 |
| تھوڑی تھوڑی بہار زیادہ خزاں رکھنا | 120 |
| کوئی جا کے لے خبر حیات کی خزاؤں سے | 121 |
| جو صدا ان کے لبوں سے روانہ ہوئی | 122 |
| کسی کے ناز و انداز پہ مسکرا دیے | 124 |
| ذرا ہنس کر ذرا مسکرا کر پی جاؤ | 125 |
| دل کے در سے بہنے چلی ہیں آنکھیں | 126 |
| یہ جو غم کی ردا اتار کے بیٹھے ہیں | 127 |
| درد والم نہ رہیں تو دوائیں بیمار پڑ جاتیں ہیں | 128 |
| ہجر و فراق کے غبار سے نہیں ڈرتے | 129 |
| یہاں زخمِ مظلوم کی دوا نہیں ملتی | 130 |
| میری خامشی کو کسی صورت زوال نہیں آتا | 131 |
| مسرتوں کے کارواں مر جانے دو | 132 |
| شمع خود کو جلا کے بھرتی ہے پیمانے | 133 |

| | |
|---|---|
| آرزؤں کے بجھے چراغ تحریر کرتے چلیں | 135 |
| ہمیں محبت کے غم اچھے لگتے ہیں | 136 |
| جب شام گزری ہوگی اسے غموں نے پکارا ہوگا | 137 |
| میرے غموں کو نارمل گئی | 138 |
| ہم مسکرائیں گے تیری پلکوں پہ برسات ہوگی | 139 |
| غمِ دوراں سے غمِ یار بدل کے دیکھ چکے | 140 |
| گلوں کی گردنوں پہ اک تلوار چلے گی | 141 |
| ہم پیاسے پیاس میں جل گئے | 142 |
| شبِ ظلمت کا حال ستاروں سے پوچھو | 143 |
| یاد کی سوکھی پتیاں | 144 |
| دل میں اترے ہوؤں کو بھلانا ممکن کہاں | 146 |
| ہواؤں میں جس نے دردِ محبت اچھالے یارو | 147 |
| تنہائیوں میں پیتے تھے جو وہ پیمانے یاد آتے ہیں | 148 |
| اے عشق جب سے ہم تیرے پانیوں میں نہائے ہیں | 149 |
| آج مجھ کو رلا دیا یار وشکریہ تمھارا | 151 |
| اپنی عنایتوں کے مرہم و بام رہنے دے | 153 |
| ہر شام کے بعد اک نئی شام ڈھلی جاتی ہے | 154 |
| یوں ساکت بیٹھنے سے کیسے وصل کی رات آئے گی | 155 |
| تو میرے روبرو ٹھہرے تجھے تکتے شام ہو جائے | 156 |
| وقتِ فرقت غم سے لبریز تیری آواز پہ رقصِ بسمل کیا ہے | 157 |
| گل ولالہ جس کا ہوں مقدر | 158 |
| چمن آرا کیا رکھا میں تو گل وگلزار سے گیا | 159 |
| بادِنفرت ہے آج کل یہاں زوروں پر | 160 |

| | |
|---|---|
| ٹوٹے پتوں کو جیسے کوئی شجر کھینچ لے | 161 |
| ایک ہی خدا کے آگے سر جھکائے رکھنا | 162 |
| سر پہ غم کے بادل چھائے ہوئے ہیں | 163 |
| آیا کیسا عجیب دور ہے | 164 |
| یہاں تو آج زندگی بھی جینے کو ترستی ہے | 166 |
| یہاں محبت کی کچھ قدر نہیں | 167 |
| غم اتنے ملے کہ بے غم ہو گئے | 168 |
| یہ زندگی ہمیں کب پیاری تھی | 169 |
| شکستہ دل کبھی تعمیر نہ ہو پایا | 170 |
| ترازو میں جہاں دل تولے جاتے ہیں | 171 |
| کہیں دست و پا کٹے ہوئے کہیں تن پہ کھال نہیں | 172 |
| ہو بسیرا جہاں تیرا وہاں بہار کیوں نہ ہو | 173 |
| کتابِ شوق میں تاجری کا باب کیسا | 174 |
| سرابوں کی دنیا | 175 |
| ہجر و وصال کے شعلوں میں جلتا ہے دل | 176 |

# حرفِ آغاز

تعریف اس رب کی جو ہر عیب سے پاک، غالب اور حکمت والا ہے۔ لاکھوں درود و سلام حضور سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ پر جنھیں اللہ عزوجل نے سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

بڑی سوچ بچار کے بعد بھی مجھے وہ الفاظ نہ مل سکے جن سے میں اپنے خالق و رازق کا شکر ادا کر سکوں جس نے مجھ بندہِ ناچیز، فقیرِ بے دہلیز کو انگنت نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا۔ ایک حقیر بسمل جسے میں جانتا ہوں اس کی مثال خزاں رسیدہ پتے سی ہے جو راہگزر میں پڑا ہر راہگیر کے قدموں کی زینت بنتا ہے۔ دوسرا حقیر بسمل جسے آپ جانتے ہیں وہ رب کریم کی کرم نوازیوں سے ہے۔

اللہ عزوجل نے ہر موڑ پر میری رہنمائی اور نصرت فرمائی اور زمانہِ نوعمری سے ابتلک میرے ساتھ جو لوگ بھی منسلک کیے نہایت پُر خلوص اور کرم فرما تھے۔ میں ان میں سے چند خاص لوگوں کا ذکر و شکر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور درحقیقت یہ اس رب کریم کا ہی شکر ہے جس نے میرے ساتھ ایسے شفیق لوگ منسلک کیے۔

سب سے پہلے میں اپنے والدین کا شکر گزار ہوں جنھوں نے میری تعلیم و تربیت کے لیے ہر ممکن کوشش کی اور دعاؤں کے خزینے سے بھی نوازتے رہے، دادی جان جنکی دعاؤں کے سہارے میرے بہت سے کٹھن سفر باآسانی طے ہوئے، وہ دنیائے فانی سے پردہ فرما چکی ہیں، دعا کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل انھیں اپنے رحمت کے سائے میں رکھے، بریگیڈیر (ریٹائرڈ) جاوید احمد

ستی جو کہ پورے کہوٹہ کیلئے ایک مسیحا کا درجہ رکھتے ہیں، میں انکا نہایت شکر گزار ہوں کہ انھوں نے کہوٹہ کے لوگوں کیلئے تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا۔اس کے علاوہ گورنمنٹ سکول کلٹیہ، عظیم پبلک سکول سسٹم کہوٹہ، مثالی پبلک سکول دین پور مظفرگڑھ، ملٹری کالج جہلم (2013-2008)، 133 PMA L/C اور دیگر سول و ملٹری حلقوں کے احباب اور سٹاف کا نہایت مشکور ہوں جنکی دعائیں، محبتیں اور رہنمائی ہمیشہ میرا سہارا بنی۔

دنیائے سخن میں کچھ خاص لوگوں کا ذکر و شکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن میں سب سے پہلے محترم احمد ستی (کتاب آدھا پاگل کے مصنف) جنھوں نے اپنی مصروفیت سے وقت نکال کر میری دونوں کتابوں کو پڑھا اور میری راہنمائی اور حوصلہ افزائی کی، محمود الحسن ستی صاحب (اسلام آباد) اور لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) ضیغم طیب (ملتان) جنھوں نے میری پہلی کتاب (زندانِ الم) پبلش ہونے سے پہلے پڑھی اور میری راہنمائی اور حوصلہ افزائی کی، پروفیسر اویس خالد (چونڈہ، سیالکوٹ) جنھوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود میری دونوں کتابوں کو پڑھا اور میری راہنمائی اور حوصلہ افزائی کی، کیپٹن حمزہ اشرف (آزاد کشمیر) جنھوں نے نہایت خلوص سے میری پہلی کتاب کا مطالعہ کیا اور اصلاح کی، گفتگو پبلی کیشنز اور آواز پبلی کیشنز کی پوری ٹیم جنھوں نے میری دونوں کتابیں بہترین انداز سے شائع کیں، کیپٹن احسن، کیپٹن آفتاب احمد، کیپٹن وقار رضا اور اعجاز بلوچ جنھوں نے میری ہر ممکن مدد کی اور آخر میں اپنے ہر دلعزیز کارئین جنھوں نے میری کتاب کو پڑھا اور میری حوصلہ افزائی کی۔

کیپٹن سیف اللہ (حقیر بسمل)

# ’’تلاشِ منزل‘‘

گلاب کا کوئی بھی نام رکھ لیا جائے مگر پہچانا اپنی خوشبو سے ہی جاتا ہے۔
انسان بھی ویسا ہی ہے۔ اس کا کوئی بھی رنگ و روپ ہو، کوئی بھی نام ہو، مگر پہچانا کردار اور اخلاق سے ہی جاتا ہے۔
لیفٹیننٹ سیف اللہ (حقیر بسمل) جو اب کیپٹن سیف اللہ ہیں جن کا پہلا شعری مجموعہ زندان الم منظرِ عام پر آیا تو قارئین کو اس نوجوان شاعر کے جذبات، احساسات، خیالات اور نظریات نے گرویدہ بنا لیا۔ زندان الم کی کامیابی کے بعد دعائیں سمیٹتا ہوا یہ نوجوان شاعر اپنی کم عمری میں ہی اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی نئی منزل کی ’’تلاش‘‘ میں نکل پڑا۔
دنیا میں بہت عظیم لوگ پیدا ہوتے ہیں ڈاکٹر، انجینئر اور سائنس دان وغیرہ مگر کافی تعداد میں ہوتے ہیں۔ ذرا غور کریں تو شاعر، ادیب، مصنف اور تخلیق کار بہت کم ملیں گے یہ نایاب لوگ ہوتے ہیں۔
کیپٹن سیف اللہ بھی اسی نایاب قبیلے کا ایک فرد ہے جو حساس اور بے چین طبیعت کی وجہ سے ہر دم ’’تلاش‘‘ میں رہتا ہے۔ آپ کیپٹن سیف اللہ کی شاعری پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ انہیں کس نظام اور کس مقام کی تلاش ہے۔
کیپٹن سیف اللہ کی تازہ شاعری اور نئی کتاب ’’تلاش‘‘ بہت جلد آپ کے ہاتھوں میں ہو گی۔ کیپٹن سیف اللہ دنیائے ادب کا ایک جانا پہچانا نام ہے جو اپنی شاعری کے توسط سے لوگوں

کے دلوں میں اپنا ایک نمایاں مقام بنا چکا ہے۔کیپٹن سیف اللہ کی شخصیت اور شاعری پر غور کریں تو یہ اشعار ذہن میں آتے ہیں۔

یہ الگ بات کہ خاموش کھڑے رہتے ہیں
پھر بھی جو لوگ بڑے ہیں وہ بڑے رہتے ہیں
ایسے درویشوں سے ملتا ہے ہمارا شجرہ!
جن کے قدموں میں کئی تاج پڑے رہتے ہیں!

کیپٹن سیف اللہ کو بہاروں، دلنشین خوابوں، سسکیوں آہوں، نوحوں اور اہمیتوں کو بیان کرنے کا ہنر خوب آتا ہے۔کیپٹن سیف اللہ کے اشعار کی اٹھان بتاتی ہے کہ ان کے ارادے کیا ہیں۔کیپٹن صاحب کے اشعار کے مطالعے سے مجھے ایک خوشگوار حیرت کا احساس ہوا کہ ان کے کلام میں بیشتر کا حسن دلفریب اور تفکر خیز ہے۔آپ کے کلام میں خوشبو کی دستک دل پر محسوس ہوتی ہے۔

کیپٹن سیف اللہ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے پر قادر نظر آتا ہے۔شاعری قدرت کے منصوبوں میں سے ایک اہم فکری اور شعوری صلاحیت ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ شاعری محبت کی زبان ہے۔شاعر دوسروں کے دکھوں پر تڑپ اٹھتا ہے آپ زیر نظر شعری مجموعے پر نظر دوڑائیں تو کیپٹن سیف اللہ ہر لحہ معاشرے کی عدم مساوات اور معاشرتی ناہمواریوں کے خلاف اعلانِ بغاوت کرتا نظر آتا ہے۔کیپٹن صاحب کی شاعری میں اسلام اور پاکستان سے محبت کا جذبہ بہت نمایاں ہے۔کیپٹن سیف اللہ کی شاعری میں ایک اچھا شاعر اور ایک سچا فوجی حق اور سچ کا پرچم بلند کرتا نظر آتا ہے۔کیپٹن سیف اللہ ایک بہادر فوجی ہونے کے ناطے ہماری سرحدوں اور عزتوں کا محافظ ہے، جبکہ بطور شاعر نظریاتی سرحدوں کا رکھوالا ہے۔ہم کیپٹن صاحب کے لئے دعا گو ہیں کیونکہ غیرت منداور سمجھدار قومیں ہمیشہ اپنے محافظوں کا نہ صرف خیال رکھتی ہیں بلکہ ان کے شانہ بشانہ کھڑی ہوتی ہیں۔

خوش فکر، خوش اخلاق اور خوش شکل شخص جس پر نظر پڑتے ہی گمان ہو کہ یقیناً آدمی

آفیسر ہوگا اور اگر گفتگو کرے تو یہ گمان ہوتا ہے کہ شاعر ضرور ہوگا۔ بلاشبہ کیپٹن سیف اللہ کے خیالات، جذبات، احساسات اور نظریات سے پتا چلتا ہے کہ یہ کام وہی صاحب فکر کر سکتا ہے جس کو قدرت نے اس کام کے لیے منتخب کیا ہو۔ کشمیر، فلسطین اور مسلمانوں کی زبوں حالی کا غم کیپٹن سیف اللہ کو بے چین رکھتا ہے۔ وہ اپنی نظموں اور غزلوں میں ایک غم کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ وطن سے محبت ایمان کی نشانی ہے اور کیپٹن سیف کی شاعری میں وطن سے محبت سے سرشار شاعری خوب ملتی ہے۔ اگرچہ کیپٹن سیف اللہ مسلمانوں کے حالات سے غمگین ہیں مگر مایوس نہیں ہیں ان کی خوبصورت نظم ''امید'' اور ''امید کا دیا'' میں ایک خوبصورت پیغام ہے کہ مسلمان تو موت سے ڈرتا ہے اور نہ مایوس ہوتا ہے۔

کیپٹن سیف اللہ جس راستے پر چل نکلے ہیں وہ ایک طویل راستہ ہے لیکن وہ اس راستے کو نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ طے کر رہے ہیں بلاشبہ ان کی پیش رفت قابل تعریف ہے میری دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ کیپٹن سیف اللہ کو سلامت رکھے۔ (آمین)

''احمد ستی''

19-8-25

# حقیر بسمل اپنی تلاش میں

حقیر بسمل کے دوسرے شاعری مجموعے کا مسودہ موصول ہوا۔زندانِ الم کے بعد "تلاش" کے عنوان سے حقیر بسمل حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔انسان کی فطرت بڑی پُراسرار ہے۔کیفیتوں کا بیش بہا خزانہ اس کے اندر موجود ہے۔جذبات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اسے اک پل بھی چین نہیں لینے دیتا۔دنیا میں جو عکس ہے وہ ظاہر ہے اور جو حقیقت ہے وہ غائب ہے۔اس عکس سے نکل کر غائب پر ایمان لانیکا سفر بڑا کٹھن اور طویل ہے۔اور بڑے صبر کا متقاضی ہے۔انسان جب اس سفر کا مسافر بنتا ہے تو اس پر ایک ساتھ کئی وجدان کھلتے ہیں،ان کی منظر کشی کرتے کرتے وہ اپنی ظاہری وجودیت اور مادی قد سے بڑھ کر گفتگو کرنے لگتا ہے۔شاعری بھی کچھ ایسی ہی زبان ہے جو حقیقت کے اس سفر کو لفظوں کا خوبصورت لباس پہنا کر ایک وجود عطا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔جو بعد میں آنے والوں کے لئے ایک مشعلِ راہ ثابت ہوتی ہے۔خود انسان بھی جو کچھ کہہ رہا ہوتا ہے اس میں بیشتر حصہ متقدمین کی ذہنی رسائی کے نچوڑ سے ماخوذ ہوتا ہے۔حقیر بسمل کی شاعری کے مطالعے سے ایک بات جو واضح نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی تلاش کے سفر کا پہلا قدم انتہائی بے باکی سے اٹھا چکے ہیں اور اب ان قلبی واردات کے رحم وکرم پر ہیں جو ہر آن ایک نئے منظر سے ان کو ورطۂ حیرت میں مبتلا رکھے ہوئے ہیں۔اس کھوج کے دوران کئی جانے انجانے چہروں سے ملاقات ہوتی ہے۔کئی پوشیدہ جہانوں میں آنکھ کھلتی ہے۔بقول راقم:

ہزاروں راز پنہاں ہیں شعور خاک کے اندر
زمانے دفن ہیں رمز تہہ بے باک کے اندر

ڈھکے چہروں سے حرمت کے لبادے ہٹ گئے لیکن
ابھی باقی ہیں گنجینے کف ادراک کے اندر

حقیقت کی راہ کا نصاب پڑھنے والے کی فکر میں جو تبدیلی واقع ہوتی ہے اس کا اظہار جا بجا اس تلاش میں نظر آتا ہے۔ دنیا پر آخرت کو ترجیح دینا، اردگرد بھٹکے ہوؤں کی فکر کرنا، غیر کے غم میں آنسو بہانا، جتنی جلدی ہو سکے مجاز کی قید سے رہا ہو کر حقیقت میں غوطہ زن ہونا، عارضی و فانی زندگی کی رونقوں سے نکل کر دائمی و ابدی کا پیدا ہونا، یہ سب حقیر بسمل کی شاعری سے عیاں ہوتا ہے۔ خوش بخت لوگ اس سفر کے لئے چنے جاتے ہیں۔ ذات مقدس انتخاب فرماتی ہے وگرنہ عمر رواں تمام ہو جاتی ہے۔ مقصد حیات کا عرفان تک حاصل نہیں ہوتا۔ حقیر بسمل اپنے تمام غموں، صدمات اور محرومیوں کی درخواست خدائے بزرگ و برتر کی بلند بارگاہ میں رکھنے کا وہ ہنر جان گئے ہیں جو قطعی قبولیت کی سند رکھتا ہے، جیسا کہ بقول راقم:

پکڑ دامن مصور کا ،ہنر اس کو ہی آتا ہے
کہاں کس رنگ دھاگے سے رفو کرنا ہے پیرہن

شاعری کے لئے جذبات کی فراوانی، تخیل کی بلند پروازی، سوز و گداز اور رقیق القلبی کا ہونا اشد ضروری ہے۔ اسے شاعری کے اجزائے ترکیبی کہیں تو غلط نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ شاعری جس فن کے ساتھ منسلک ہے اسے سیکھنا بھی لازمی امر ہے۔ علمِ عروض کو سیکھ کر اس کے تحت بحروں پر مشق کرنا بہت ضروری ہے اور اس کے لئے کسی ماہر علمِ عروض کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے چاہئیں، تاکہ ایسے خوبصورت خیالات، و جذبات کو وہ سانچہ عطا ہو جائے جس میں ڈھل کر اسے ادبی حلقوں کی زینت بننا ہوتا ہے۔ میری دعا ہے کہ حقیر بسمل کے جذبات و احساسات کی فراوانی یونہی وافر رہے اور ان کی یہ اذانیں طول و عرض میں سنائی دیں، اور ان کی اذانوں پر لبیک کہنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو اور شاعری کے ذریعے جس تبلیغ کا بیڑہ اٹھایا ہے، اس پر انہیں اجرِ عظیم عطا ہو۔ آمین

پروفیسر اویس خالد
چونڈہ، سیالکوٹ
0333-8770717

# آئینہ

خوفِ دنیا رکھنے والے
مَن رَبُّکَ
مسجد میں نہیں دیکھا تجھے کبھی
مَا دِینُکَ
محمدؐ سی کوئی ادا نہیں تجھ میں
مَن نَبِیُّکَ

---

رکھ دی ہے راہِ یار پہ جبیں اب تو
لگتا نہیں انسا کوئی محسن و حسیں اب تو

کیسے کسی اور کا تصور تک دل میں جا پائے
رہتے ہیں وہ میرے سامنے و قریں اب تو

خیالات انھی کے گرد طواف کرتے ہیں
میری رگ رگ میں ہیں وہ جاگزیں اب تو

کیسے نہ سناؤں انھی کو رودادِ غم اپنی
وہی تو ہیں میرے ہم نشیں اب تو

انکو اس قدر قریب پایا ہے لوگو
کوسوں دور لگتے ہیں اہلِ زمیں اب تو

کیسے نہ ہو خلوت نشینی مشغلہ اپنا
تنہائیاں انکے تصور سے ہیں نشہ آفریں اب تو

ہے انکے در کا راستہ گھر کا پتہ بسملؔ
سمجھ آ گئی حقیقتِ دیں اب تو

---

وہ المالک القدوس السلام، میں نجس و ناپاک بندہ
وہ العزیز الجبار المتکبر، میں خس و خاشاک بندہ

نورِ ایمن نے کیا بے سدھ کلیم اللہ کو
ممکن کہاں، دہر میں پی سکے مےِ تابناک بندہ

جلوہ آرائیِ روح سے پھٹتے ہیں قلب و جگر
یہ وہ دلآویز حور، جس کی پوشاک بندہ

اے حسن آفریں! جلوہ گر ہو گا تو روزِ محشر
تب تک خود کو بہلائے کیسے یہ چاک چاک بندہ

آرزوئے دید تھامے سرگرداں کو بہ کو میں بھی
موسیٰ تو نبی تھے میں بے باک بندہ

---

مال و متاع، آب و صبا، منزل و راہ ہے عشق
اس اندھیر نگری میں میرا رفیق و رہنما ہے عشق

جب سے لگایا یہ بام سب زخم رخصت ہوئے
ہر مرض کی شفا، ہر درد کی دوا ہے عشق

نہ کوئی ایسا انمول خزانہ، نہ تخت و تاج شاہانہ
جسے چاہے نوازے، رب کی عطا ہے عشق

دھڑکتا ہے دل، تڑپتی ہے جبیں خاطرِ سجدہ
سفرِ حقیقی کی ابتدا، بندگی کی انتہا ہے عشق

اس سے اگلا مقام ہے دیدِ رخِ انور کا
محبوبِ حقیقی کی ردا و قبا ہے عشق

اب تو رہتا ہوں غوطہ زن انھی کے تصور میں
انگورِ توحید سے کشید شدہ مےِ حیا ہے عشق

اس شرابِ طہور تک رسائی ہے فقط مومن کی
شریعت سے خالی مسلماں کیا جانے کیا ہے عشق

کیسے نہ ہوں سجود و قیام میرے طویل بسمؔل
مجھ بندہِ حقیر کا خدا ہے عشق

---

# خدا

شمس و قمر میں خدا ہے
شاخ و شجر میں خدا ہے

جدھر دیکھا اسے پایا یارو
بحر و بر میں خدا ہے

ہر پہر بس اسی کی مہک
شام و سحر میں خدا ہے

فقط بت پرستی کفر ہے
وگرنہ پتھر پتھر میں خدا ہے

امر اپنے درست رکھو لوگو
گھر گھر میں خدا ہے

صدائے رم جھم کہتی ہے
خشک و تر میں خدا ہے

چال میں اعتدال رکھنا
ہر رہگزر میں خدا ہے

گناہ کیلئے جا نہیں ملتی
نگر نگر میں خداہے

کیسے نہ دیوانہ وار لپکوں
ندائے فجر میں خدا ہے

ذرا دشوار نہیں اسے ڈھونڈنا
ہر چشمِ تر میں خدا ہے

جہاں بھٹکو اسے پکار لینا
ہر لب و نکر میں خدا ہے

کون سی جا جہاں نہیں وہ
پوچھتے ہو مندر میں خدا ہے؟

نگاہِ دل سے دیکھو کبھی
ہر خشک و تر میں خدا ہے

ادب سے پیا کرو ناداں
جام و ساغر میں خدا ہے

اے بادہ خوار چھپنا ممکن کہاں
بادہ و خمر میں خدا ہے

نہ ہو غافل اوقاتِ نماز سے
ندائے اللہ اکبر میں خدا ہے

نہ کر حق تلفی کسی کی بھی
ہر اکبر و اصغر میں خدا ہے

پتا نہیں گرتا مگر وہ جانتا ہے
ہر شاخ و شجر میں خدا ہے

ہیں سب رنگ اسی ذات کے
بے نور و انور میں خدا ہے

سنتا ہے خفیہ تدبیریں
دیوار و در میں خدا ہے

نہ جان خود کو تنہا کبھی
کل دہر میں خدا ہے

سبحان اللہ سبحان اللہ
گل و عنبر میں خدا ہے

کوئی جسد خالی نہیں اس سے
دلِ خشک و تر میں خدا ہے

نہ کر نفرت کسی سے بھی
محبّ و متنفر میں خدا ہے

غم و مسرت میں پکارو اسے ہی
ساحل و بھنور میں خدا ہے

کہو سبحان اللہ واہ واہ کی بجائے
ہر اہلِ ہنر میں خدا ہے

نفاستِ تصنیف و تصویر بتا رہی
کہ مصنف و مصور میں خدا ہے

جب کیا تدبر تو جانا کہ
ہر ضعیف و کم عمر میں خدا ہے

بحرِ حقیقت میں اتر کے دیکھ ذرا
رخِ اسود و احمر میں خدا ہے

سنا رہی ہے رغبت و کشش
جبیں کے جھومر میں خدا ہے

پتی پتی اسی کی نغمہ خواں
گلِ خشک و تر میں خدا ہے

اسی سے بنتے ہیں حروف و جملے
شد و مد، زیر و زبر میں خدا ہے

اس سے گفتگو ہو رہی ہو جیسے
قرآں کی ہر خبر میں خدا ہے

ہیں بے شمار روپ اس کے
صابر و صبر میں خدا ہے

عاجزی ہے مخلوق کیلئے
پھیلے ہوئے ابر میں خدا ہے

بندے سے جدا نہیں ہوتا
دہر و قبر میں خدا ہے

حیا آتی ہے گناہوں سے بسملؔ
مجھ بندہِ کمتر میں خدا ہے

---

مکانِ دل کے مکیں تو کہاں ہے
اے حسن آفریں تو کہاں ہے

کوئی سندیسا ہی بھیج کہ قلب کو قرار آئے
خدائے روح الامیں تو کہاں ہے

میں تیری دید کی طلب میں سرگرداں کو بہ کو
یا رب العالمیں تو کہاں ہے

راہوں میں کرچیاں اور میں برہنہ پا
مالکِ زمان و زمیں تو کہاں ہے

تشنگی سے جل رہے ہیں قلب و نظر
تڑپ رہی ہے جبیں تو کہاں ہے

مجھ میں رہ کر مجھ سے پردہ
اے جاں آفریں تو کہاں ہے

نہیں محبوب کوئی کامل تجھ سا
اے محسن و حسیں تو کہاں ہے

الرحمان الرحیم ہے عشق میرا
مالکِ یوم الدیں ہے عشق میرا

ہر لحظہ پڑھتا ہوں یار کے سندیسے
کتابِ مبیں ہے عشق میرا

تحفہ دیا یار نے تو بے بدل
رسولِ مہ جبیںؐ ہے عشق میرا

مانگ لاؤں کہاں سے قوتِ دید
حد سے بے حد حسیں ہے عشق میرا

کرتا ہوں سجدے میں سرگوشیاں
دل میں مکیں ہے عشق میرا

ہوئے بے سدھ کلیمؑ بھی
کس قدر حسیں ہے عشق میرا

مثلِ طور ریزہ ریزہ نہ ہو جاؤں
بسمؔل دلنشیں ہے عشق میرا

---

جہنمی اور میں، نہیں نہیں
میں تو عبد الرحیم ہوں

# غفلت

ظلم وستم، جبر و جور کے یہ ساز خاموش کرو
آسماں چیخ رہا ہے، زمیں والو ہوش کرو
آج کی شب سیاہکارو رک جاؤ
آؤ سب مل کر سجدے میں جھک جاؤ

---

وہمِ دہر سے پاک اپنی نماز ہو
اِس دھرتی پہ کبھی تو ایسا اعجاز ہو

سجدے کو تڑپنے لگے جبیں اپنی
دلِ کافر کو نہ بھاتا ساز ہو

غمِ دنیا کھینچ لاتا ہے ہمیں
کبھی تو شوق سے تیرے در کو پرواز ہو

ہم منزلوں پہ سدا ناز کرتے آئے ہیں
کبھی ایسا بھی ہو منزل کو ہم پر ناز ہو

بزم میں بوئے گل، رزم میں آہن جاں
کچھ ایسا نرم و گرم ہمارا انداز ہو

شکستہ دلوں سے مسرتیں اپنی ہم بانٹ لیں
اوروں کو خوش دیکھنے کی ہم میں آز ہو

یہ طوفاں تھم جائیں گے، ظلمتیں مٹ جائیں گی
ایک نغمہ ہو ہمارا اگر، ایک آواز ہو

یہ جبیں چشمے اٹھائے گی زمیں سے بسمل
ظاہر و باطن میں ہمارے اگر نہ کوئی امتیاز ہو

---

# نماز

نماز سے جس نے ناطہ جوڑ لیا
بازوئے شیطاں و نفس کو توڑ دیا
....
ہاتھ اٹھا کے اشک بہا
ہر غم سے چھٹکارا پا

---

یہ جو عرش آج چیخ چیخ کر رو رہا ہے
زمیں پر سے داغِ گناہِ بشر دھو رہا ہے

گھر فروزاں، مگر دل میں ظلمت کے ڈیرے
غفلت کے تختوں پہ انساں سو رہا ہے

جب دم ٹوٹے گا، تب ہوش میں لوٹے گا
دنیا کی رنگینیوں میں زمانہ اس قدر کھو رہا ہے

تن من بیچ کر دھن خریدا جاتا ہے
آرزوئے بہشت لیے دانۂ نار بو رہا ہے

آج کے فانی رنگ و بو کی خاطر بسمؔل
انساں حیاتِ ابدی میں انگارے سمو رہا ہے

---

## خوفِ آخرت

نہ ہوتا اشتیاق اگر آپ کی ملاقات کا
میں تو ہر سجدے میں طلب موتِ ابدی کرتا

# اگر رحمت کے سمندر روک لیے گئے

ہائے ہائے میں مارا جاؤں گا لوگو
پل صراط پر سے گزارا جاؤں گا لوگو

لعنت بھیجیں گے فرشتے مجھ پر
جہنمی کہہ کر پکارا جاؤں گا لوگو

صاف بتا رہے ہیں قول و فعل میرے
دھکتے انگاروں سے سنوارا جاؤں گا لوگو

زرقوم و پیپ ہو گی غذا میری
نارِ جہنم میں اتارا جاؤں گا لوگو

مال و منال نہ دیں گے ساتھ اس دن
برہنہ و بے سہارا جاؤں گا لوگو

جن کی خاطر حکمِ الٰہی پامال کیے، انھی سے
جھڑکا اور دھتکارا جاؤں گا لوگو

———

روزِ محشر نہ ہوا اگر شامل فضلِ ربی تیرے ترازو میں بسمّل
داڑھی سے پکڑ کر گھسیٹیں گے فرشتے تجھے سوئے جہنم

...

تیرے خوف سے تیرے سامنے سب خاک ہو جائیں گے
کیسے حساب دے پائیں گے تجھے تیرے بندے خدا

...

درِ توبہ پر دے دستک ساقی
ابھی بھی تیرے پاس وقت ہے باقی

...

ہوں کس قدر گناہگار کیا بتاؤں تمھیں
اُٹھ جائے پردہ اگر، تھوکے گا زمانہ مجھ پر

....

اقبال کے شاہیں کس قدر ہو گئے نواب دیکھو
بنا رہے ہیں اب تو آشیانے عقاب دیکھو

صدائے اذاں آتی ہے مگر کارِ دنیا سے فرصت نہیں
الماری میں پڑی گرد سے اٹی یہ اُم الکتاب دیکھو

دیکھنے کو میسر ہے اک عجب تماشہ ان آنکھوں کو
عورتوں سے قدرے زیادہ ہے مردوں کا حجاب دیکھو

دیے اب تو روشنی کی بجائے ہاتھ جلانے لگے ہیں
عیاشی میں غرق ہوتا جوانوں کا شباب دیکھو

اس ویراں چمن کو خزائیں لوٹیں گی کیا اب
چمن آرا نے ہی توڑ لیے سارے گلاب دیکھو

چمن سے خفا پنچھیو سب تمھاری نظر کا قصور ہے
اسی مٹی میں چھپا ہے دفینہ بے حساب دیکھو

---

اُدھر کیلئے بھی تھوڑا مال بچا لو
عرضِ غریب ہے اپنے اعمال بچا لو

اک قطرہِ زہر پوری صراحی زہر کرے ہے
بادِ حرام سے باغیچہء حلال بچا لو

بدسیرتی نے داغ دار کیے ہیں کیا کیا چہرے
بےِ خوب سیرتی پی کر حسن و جمال بچا لو

بے درد کیا جانے درد بے کسوں کا
دھڑکنِ دل ہے یہ ملال، بچا لو

سوئے جہنم دھکیلتا ہے ہر پل شیطاں
اس دشمنِ آدم سے اپنی کھال بچا لو

دشمنانِ اسلام کا زعم دور کرتا چلوں بسملؔ
پرندے ہیں یہ اتحادی، اپنا جال بچا لو

---

# مغرب زدہ مسلم

پڑھتا ہوں قرآنِ مغرب
سنتا ہوں اذانِ مغرب

کچھ جدید ہو گیا ہوں
بولتا ہوں زبانِ مغرب

گلِ عرب ہے خزاں رسیدہ
خوب ہے مگر گلستانِ مغرب

حور و مے تو اِدھر ہے
مُلا ناآشنائے شانِ مغرب

نگہ تشنہ کو مسیحا مل گیا
کھلا ہے گریبانِ مغرب

اَب و جد میرے اُمی
آزاد خیال باغبانِ مغرب

اکھیڑ کر پر عرب بسمّل
لگا لیا بادبانِ مغرب

---

◆

یہ فضا کہہ رہی ہے ہم منافق ہیں
سورہ النساء کہہ رہی ہے ہم منافق ہیں

---

# دہشت گرد

نہ جھکا جو درِ مغرب پہ دہشتگرد ٹھہرا
خونِ مسلم حبِ دنیا میں بے جوش و سرد ٹھہرا

بادِ مغرب اس کوچے میں ہے آج زوروں پر
عورتیں برہنگی پہ مائل حوص کا پجاری مرد ٹھہرا

نہ ہمت کسی میں کہ ہوائے کفر کے مقابل ٹھہر سکے
پتہ پتہ اس شجر کا بے جاں و زرد ٹھہرا

فرعون کے ہاتھوں بک گئے اُمت کے امام اکثر
نظامِ کفر کا شیدائی ملت کا فرد فرد ٹھہرا

گلشن گلشن خوب پزیرائی ہوئی تہذیبِ مغرب کی
دستورِ قرآن و سنت چمن چمن رد و مسترد ٹھہرا

---

# مغرب زدہ مسلم

شاہد ہے زمانہ کہ اہلِ ایماں نہ بکے
بک گیا شہر سارا چند گلستاں نہ بکے

امت ساری نے اوڑھ لی نفاق کی ردا
خاطرِ زر کی تار تار عشاء و اشراق کی ردا

درِ مغرب پہ ہر پیر و جواں نے جبیں رکھی ہے
یہی قبلہ و کعبہ سجدے کیلئے یہی زمیں رکھی ہے

بنتِ اسلام تہذیبِ مغرب سے آشنا ہو گئی ہے
کر کے چاک ردا اپنی برہنہ ہو گئی ہے

امریکہ کی بندگی میں جینا عبادت ہے اپنی
امریکہ کی بندگی میں مرنا شہادت ہے اپنی

ہم سگِ دہرِ مغرب کی گرفت میں رہتے ہیں
ٹھکرا کر پیماں تیرے انکی بہشت میں رہتے ہیں

مغرب زدہ مسلمِ نامرد کو درکار ترکِ جہاد کے فتوے
اسی لیے تو لگا رہا ہر مردِ مجاہد پہ الحاد کے فتوے

بادۂ ایماں بہہ گیا خالی ساغر و جام پڑے ہیں
پی کے مےِ مغرب بے سدھ امت کے امام پڑے ہیں

پیر و جواں تہذیبِ مغرب کے مرید ہو گئے ہیں
چھڑا کر جاں قرآن و سنت سے جدید ہو گئے ہیں

بوئے جہالت سی آنے لگی قرآن و سنت سے
چھین لیا ابلیس نے عشق تیرا امت سے

آپؐ کی امت نے جلا لیے بغاوت کے چراغ
قرآن و سنت سے بغض و عداوت کے چراغ

سر میں اٹھتا ہے درد تیری اذانوں سے
بہلتا ہے دلِ مسلم اب تو گانوں سے

مغرب زدہ بھائی جسم فروش بہن سے خوش ہے
پدر پسر کے خلافِ سنت رہن سہن سے خوش ہے

کیفیتِ ایماں یہ ہوئی جیسے طاقِ مزار پہ رکھا دیا
جب چاہا جلا لیا جب چاہا بجھا دیا

---

# دلِ مسلم زنگ آلود ہوئے

اپنوں ہی کی وار سے ناقص ہوا اسلام دیکھتے دیکھتے
یا خدا خاک میں مل گیا تیرا حکم و کلام دیکھتے دیکھتے

آئینِ قرآن وسنت سے بوئے جہالت سی آنے لگی ہمیں
تماشہ سا بن گیا تیرا دستور و نظام دیکھتے دیکھتے

درِ کفار پہ سجدہ ریز ہیں اکثر امراء اسلام
چند برسوں سے بدل گیا اپنا رازق و امام دیکھتے دیکھتے

تہذیبِ مغرب سے کچھ عشق سا ہونے لگا ہمیں
بدل گیا اپنا محورِ سجود و قیام دیکھتے دیکھتے

دستِ یزید پہ بیعت کر لی بیشتر امراء اسلام نے
اور حسینؑ پر لگ گیا دہشت زدگی کا الزام دیکھتے دیکھتے

کہا جسے کفار نے دہشتگرد ہم نے فوراً قبول کیا
نافذ ہوا یہاں کفر کا حکم و نظام دیکھتے دیکھتے

اے خدا یہ منافق نہ روک سکیں گے بسمؔل کا قلم
تیرے حکم سے پھیلے گا ہر سو میرا پیغام دیکھتے دیکھتے

جونہی چھوڑا تجھے معتبر ہوئے سگ گلیوں کے ہم سے
جیسے دستِ ساقی سے پا میں گرا ہو جام دیکھتے دیکھتے

---

# داستاں ایماں فروشوں کی

تم جو کہتے ہو ملک تو اچھا بھلا چل رہا ہے
یوں تو سگِ غریبِ شہر بھی پل رہا ہے

غیروں کی خاطر بناتے ہو ہزار حکمت عملیاں
ایماں فروشو! ادھر میرا کشمیر بھی جل رہا ہے

تم امریکہ کی بات مانتے ہو مگر کیا یہ جانتے ہو
یہ وہ اژدھا ہے جو اسلام کو نگل رہا ہے

وہ نفرت ہے مُلاؤں کے لب و لہجے میں
کہ دیں ان کے ہاتھوں میں پگل رہا ہے

کلمہ گو بھی اب کفر کے ساتھ کھڑے ہیں
گلی گلی سے خدایا تیرے دیں کا جنازہ نکل رہا ہے

---

# بیت المقدس کے معاملے میں امت کی بے حسی

شاخِ محمدیؐ سے ٹوٹے تو مقیدِ خزاں ہو گئے
خوار و رسوا اب تو زمانے میں مسلماں ہو گئے

کہیں اتحادیِ کفار بن کر قتل ہوئے
تو کہیں واصلِ جہنم صورتِ طالباں ہو گئے

خاکستر ہوئی وہ شان جو عطا ہوئی تھی
بوجہ ہم تارکِ سنت و قرآں ہو گئے

توحید تو فقط عقیدے کی بات رہ گئی
عملاً ہم ہزاروں کے ساجد و تسبیح خواں ہو گئے

کر فرشتوں سے اپنے قبلہ و کعبہ کی نگہبانی
جذبۂ جہاد و ایماں سے خالی مسلماں ہو گئے

ایسا سحر چلا ابلیس کا تیرے بندوں پر
دیں سے تیرے بدظن سب پیر و جواں ہو گئے

حیف کہ ہم نے تیرے عشق کا ثمر بھلا دیا
مٹے جو تیرے نام پہ وہ جاوداں ہو گئے

---

اک عجب سا دور آ گیا ہے
ہر دل پہ اندھیرا چھا گیا ہے

مذہب کو اپنے ہم بھول چکے ہیں
غیروں کا طور ہم میں سما گیا ہے

---

# حکمراں ہمارے

ان حکمرانوں کے تختے الٹ دو یارو
صفحۂ ظلم و ستم پلٹ دو یارو

اپنا فرض پہچانو
اٹھو جاگو حکمرانو

کتا بھی جو بھوکا مرا اگر تو حساب ہو گا
روزِ محشر خدا ہر شے کا طالبِ جواب ہو گا

یہ بول اک مسلم حکمراں سے ادا ہوئے تھے
یہ بول حضرت عمرؓ کی زباں سے ادا ہوئے تھے

مگر تم ہو کہ غفلت کی نیند سوئے ہوئے
فقط اپنی توندیں بھرنے میں کھوئے ہوئے

دن دھاڑے درجنوں لوگ مارے جاتے ہیں
بے گناہ یونہی موت کی گھاٹ اتارے جاتے ہیں

مسلم حکمرانوں میں اب وہ پہلی سی بات نہ رہی
یا پھر عوام کی وہ اوقات نہ رہی

بھوک و بخار سے تڑپ تڑپ کر بچے مر گئے
سندھ میں کئی گھروں کو ویران کر گئے

مگر تمھارے دستر خواں یونہی سجتے رہے
رنگ برنگے ڈھیروں کھانے پکتے رہے

یہ تو ممکن نہیں تمھارے لیے کہ اہلِ ایماں کہلاؤ
کم از کم اتنا کرو کہ مسلماں کہلاؤ

# وزیرستان

میرے وزیرستان میں محمدِ عربیؐ کا دیں زندہ ہے
مسجدیں آباد ہیں، خوف رب العالمیں زندہ ہے

ہوائے مغرب نہ چھین پائی ردائے نسواں
یہاں حیائے بنتِ رسول الامیں زندہ ہے

مفلسی میں بھی دستِ سوال دراز کرتا نہیں کوئی
رازقیتِ خیر الرازقین پہ جذبہ یقیں زندہ ہے

سر کٹا لئے مگر نہ کی بیعت دستِ یزید پر
دلوں میں جہاد و ایماں کا مہ و پرویں زندہ ہے

ہوائے مغرب کی ضد ہے کہ اندھیرا کر کے چھوڑوں گی
چراغِ محمدی ڈٹے ہوئے ہیں، بزمِ رنگیں زندہ ہے

---

# کشمیر

گوشۂ بہشت کی حسیں کلیاں جلا رہا ہے انڈیا
وادیٔ کشمیر کا چین و قرار مٹا رہا ہے انڈیا

روز دو چار جنازے کشمیریوں کا مقدر ہو گئے
بے گناہوں کا لہو سرِ عام بہا رہا ہے انڈیا

لختِ جگر پیشِ نظر کیے جاتے ہیں گولیوں کی نذر
روز ظلم و ستم کی نئ داستانیں رچا رہا ہے انڈیا

کسی بالک کا بچپن نہ جواں کا شباب محفوط ہے
کلیوں کی مسکان پھولوں کی مہک چرا رہا ہے انڈیا

کشمیریوں کی سانسیں تک کھینچ لینا چاہتا ہے یہ
ماؤں بہنوں کی آبرو کے پرچے اڑا رہا ہے انڈیا

جبینِ مسلم سے چھینے جاتے ہیں سجدے یہاں
پیروئے دینِ حق کا ایماں آزما رہا ہے انڈیا

لہو کی لالی سڑکوں پہ بچھی دکھتی ہے صاف
معصوم کلیوں کے زیرِ پا کرچیاں بچھا رہا ہے انڈیا

کوئی زنداں میں تڑپتے تڑپتے دم توڑ دیتا ہے
تو کسی کی زیست کا دیا سرِ عام بجھا رہا ہے انڈیا

جلد ہی اس درندگی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اسے بسمؔل
معصوم جانوں پہ جو یہ ظلم وستم ڈھا رہا ہے انڈیا

کشمیریوں کے صبر کے پیمانے ٹوٹنے کو ہیں
ہندوستانیو جلد ہی سر تمھارے پھوٹنے کو ہیں

یہ ظلم و ستم کیا تمھارا نام تک نہ رہے گا
کشمیریوں کے اندر سے اک دریا چھوٹنے کو ہے

در در رلتے پھرو گے نہ ملے گی تم کو پناہ کہیں
تم سے یہ مسرتیں یہ باغ و بہار روٹھنے کو ہیں

ہر جسد نے ہر دل نے بے انتہا زخم کھائے ہیں
روز عزیزوں کے لاشے کاندھوں پہ اٹھائے ہیں

بقیدِ حیات ہیں جو ان میں رچی ہے تپش ان کی
کشمیروں کے لاکھوں دیے جو تم نے بجھائے ہیں

ہوائے حریت اب در پہ دستک دینے کو ہے
کشمیروں نے غم کے نوالے بہت کھائے ہیں

یہ تصویر اب اپنا رخ بدلنے کو ہے
تم نے شب و روز ظلم کی نوک پہ کشمیری نچائے ہیں

جہدِ پاکستان پہ اٹھاتے ہو سوال تم کیوں
معاملہ کشمیریوں کا ہے تو پاکستانی کیا پرائے ہیں

لاکھ فصیلیں اٹھاؤ اب رکنے والے نہیں ہم
کیا مسلم بھی کبھی توپ و تلوار سے گھبرائے ہیں

گلستانِ کشمیر کے یہ جدا ٹکڑے جڑنے کو ہیں بےکل
ظلم و جبر کا سر کچل جانے کے دن آئے ہیں

کشمیریو تمھاری ان بے لوث قربانیوں کو میرا سلام
راہِ حریت میں لٹی جوانیوں کو میرا سلام

---

# سوہنی دھرتی

یہ دھرتی ہماری پہچاں ہے
اس دھرتی پہ جاں بھی قرباں ہے

ہم سب ہیں اس کے رکھوالے
یہ دھرتی ہم سب کی شان ہے

خوں سے سیراب ہوئی یہ دھرتی
ہمارے آبا و اجداد کا یہ احسان ہے

جاں سے بھی زیادہ عزیز ہے ہمیں
بندہ بندہ اس دھرتی کا پاسباں ہے

سارا جہاں بہت اچھا ہے بسملؔ
سارے جہاں سے اچھا پاکستاں ہے

———

# دیس ہمارا

اس دیس کا ہوں باسی رشک سے جسے آسماں دیکھتا ہے
خوشبو سے مہکتا اِک گلستاں ہے جسے جہاں دیکھتا ہے

شہری اسکے چھونے چلے آسماں کی بلندیاں
زرخیز مٹی میں اسکی دفینۂ گوہر دہکاں دیکھتا ہے

ذوقِ شہادت میں سر بکف کھڑے ہیں سرحدوں پہ
آہنی تن جوانوں کو نظرِ حیرت سے یہ زماں دیکھتا ہے

اے شاخِ چمن مانا کہ کڑی حالات ہیں مگر
ان نشیب و فراز سے خدا ہمارے ایماں دیکھتا ہے

---

◆

موسیقی کو روح کی غذا کہتے ہیں
یہاں لوگ زہر کو دوا کہتے ہیں

---

آج یہاں گنتی کے انساں باقی ہیں
باقی تو بس حیواں باقی ہیں

وہ وہ ستم ڈھائے ہیں خزاں نے
شاخ و شجر بچے نہ گلستاں باقی ہیں

ایسا عہد نہ کوئی جو وفا ہو جائے
قسمیں پختہ نہ سچے پیماں باقی ہیں

شانِ اسلام تو رخصت ہوئے سارے
اب تو بس نام کے مسلماں باقی ہیں

بھولے مسافروں کو راہ دکھلائے گا کون
جیلانیؒ نہ وہ کارواں باقی ہیں

آج یہ حال تو کل کیا ہو گا بسمؔل
ابھی تو اور جدید زماں باقی ہیں

---

بجلی میٹر کا پہیا ساکت کر دیا ہے
جتنا ہم کر سکتے تھے ہم نے کیا ہے

دو دو چار چار دن سب کو موقع دو
حکمرانو! اب تم نے کافی کچھ لوٹ لیا ہے

سب اِس وطن کی ردا تار تار کرتے رہے
فقط چند ہی نے اس کا دامن سیا ہے

یار و اغیار برابر لوٹ رہے پھر بھی قائم ہے بسملؔ
اس وطن نے یقیناً کہیں سے آبِ حیات پیا ہے

---

منافق راہیں ہمارے لیے اپنی آغوش کھولے ہوئے ہیں
صادق راہیں ہمارے آگے ہاتھ جوڑے ہوئے ہیں

تیری شان میں خدایا ذرا برابر بھی فرق نہ آیا
نصف سے زائد انساں تجھ سے منہ موڑے ہوئے ہیں

اے قادرِ دو جہاں میری یہ ہلاکت انگیز پرواز روک دے
دلِ ناداں نے سوئے دشتِ نار پر تولے ہوئے ہیں

ناداں زمانہ ساگر سے الجھ کر کناروں تک رسائی چاہتا ہے
نار جس سے گلزار ہوا کرتی ہے ہم وہ حکمت عملی بھولے ہوئے ہیں

---

خلوصِ نیت سے جو مےِ دعا پیا کرتے ہیں
لوگ انکو اپنا پیر و امام کیا کرتے ہیں

یوں تو زندگی چند روزہ قیام ہے لیکن
مرتے نہیں وہ جو اوروں کیلیے جیا کرتے ہیں

سلام کرتے ہیں انھیں کروبیاں بھی
بے کسوں کے جو گریباں سیا کرتے ہیں

بوئے مہک پھوٹا کرتی ہے باتوں سے اُنکی
صبح و شام جو خدا و محمدؐ کا نام لیا کرتے ہیں

---

◆

شرم و حیا کی کایہ پلٹ گئی بسملؔ
اب لوگ شرم و حیا سے شرماتے ہیں

---

دشمنوں نے کھیت سے ہمارے فصلِ بہار جلا ڈالی
دار الاماں تھی جو دھرتی وہ قتل گاہ بنا ڈالی

ہمیں سائباں ملے تو کیسے منزل ملے تو کیونکر
ہم نے ناؤ اپنی غیر اللہ کے ہاتھ میں تھما ڈالی

یہ خصلت ہماری نجانے کس طوفاں میں دھکیلے گی
جہاں پھینکا لقمہ کسی نے وہیں ہم نے گردن جھکا ڈالی

ہر سو کہرام مچا ہے کیا خاک بڑھیں منزل کو بسملؔ
دشمن نے ہمارے لیے طویل صفِ ماتم بچھا ڈالی

---

◆

سخن سوز و ساز ہے
اظہار مگر بے آواز ہے

---

# نظر

بینائی نہیں اگر تو یہ زمیں نہیں آسماں نہیں
بے رنگ گل و گلزار ہیں تماشۂ خزاں نہیں

بوئے گل و لالہ دل تک تو پہنچے ہے
مگر آنکھوں کو میسر دیدِ گلستاں نہیں

گلے شکوے کسی سے کسی کی تعریف ہو کیسے
اپنے غیر کسی چہرے کی کچھ پہچاں نہیں

حسیں نظاروں کو دل میں اتارنا نصیب ہو
محرومِ نظر کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ارماں نہیں

غافل اس نعمت کی قدر نابینا سے پوچھ
موجود ہو کر بھی یہاں جس نے دیکھا یہ جہاں نہیں

---

# دل

یہ جو زندگی کی ڈور دل کے ہاتھوں میں تھما دی ہے
سچ پوچھو تو ہم نے خود سے عداوت کی ہے

پرواز کر گئی منزل کی فکر خانۂ فہم سے
دل نے جب سے اڑان میں مداخلت کی ہے

گردِ آرزو کے پیچھے ہم دیوانہ وار ہو لیے
دل نے ہر الجھن کی در پہ دعوت کی ہے

کہیں راہوں میں تھکا دیا کہیں محبت میں الجھا دیا
دل نے ہم سے سفرِ زیست میں جا بجا بغاوت کی ہے

سجدے میں جو سر جھکایا تو خیالوں نے آن گھیرا
جہاں سیدھا قدم اٹھایا وہیں دل نے مزاحمت کی ہے

رُتِ حیات کی ملکیت کسی کے دست میں تھما دی
دل نے ہم سے بسملؔ ایسی بھی اک شرارت کی ہے

---

# اُمید

تپتی راہوں پہ چھاگل ٹوٹ جائے اگر
چشمۂِ امید سے راہرو پیاس اپنی بجھاتا ہے

عزیز کیوں نہ کوچ ہی کر گئے ہوں عالمِ ناسوت سے
چاہنے والا روز امید کے دیے جلاتا ہے

پیڑ پہ چڑھنے کا فن معلوم نہیں جسے
وہ گل و بار کیلئے نیچے ہی سے شجر ہلاتا ہے

یقیں کو بے یقینی میں بدل دیتی ہے امید
جانور بھی خشک کنوئیں میں بارہا گردن جھکاتا ہے

نہ میسر دوا نہ رسائی دوا خانے تک جسے
شربتِ امید سے وہ سوزش اپنی گھٹاتا ہے

بادِ غم سے ٹوٹ گئے جو انھیں خوشی نصیب کہاں
شبِ خزاں کے بعد ہی آفتابِ بہار سر اٹھاتا ہے

کتنی بھی ہو تشنگی آبِ امید پیتے رہو
کیونکہ مایوسی کفر ہے یہ تو رب العالمین فرماتا ہے

یہ معلوم کہ بیتے پل کی سی روش اُنکی مگر پھر بھی
امیدِ وصل میں مسلسل شب و روز خونِ جگر جلاتا ہے

---

# شام

نیند کی چادر اوڑھ کر سورج آسماں سے جا رہا تھا
کاروانِ مہ و انجم سفرِ شب کیلئے قدم اٹھا رہا تھا

اندھیروں کی فوج نے روشنیوں کے سر کچل دیے
گل و بو کی نمائش کا دفتر گلستاں اٹھا رہا تھا

دن کے ہنگامے خامشیِ شب کے آگے خم ہو گئے
گل سے بچھڑ کر بلبل آشیانے کو جا رہا تھا

صراحیِ زیست سے اک اور جام نوش کر گئے ہم
کتابِ ہستی کا ہر کوئی صفحہ پلٹا رہا تھا

کسی بدنصیب نے دنیا میں ہی سامانِ بہشت کر لیا
کوئی گردشِ دوراں کا مارا لبوں کو اشک پلا رہا تھا

دلوں پہ گرد کی تہہ بڑھتی ہی بڑھتی چلی گئی
جوں جوں زمانہ روز و شب کاٹ کے آگے کو جا رہا تھا

بندۂ عصرِ حاضر کا حال لکھتے دست لرز گیا بسمل
فلک بوس عمارتیں دیکھ کر مہتاب شرما رہا تھا

# محبت

دہر سے بیگانا کرے جو وہ فقیر ہے محبت
غمِ دوراں کو مٹانے کیلئے اک شمشیر ہے محبت

رگِ جاں لگتے تھے جو رقیبِ جاں لگنے لگے اب
دور کے ڈھول سوھانے کی تفسیر ہے محبت

شہرِ الفت میں نہیں امتیاز شاہ و گدا میں
بلا خوص کسی کی اطاعت و توقیر ہے محبت

کیا خزاں کیا بہار، ہر دل کی رت ہے جدا جدا
کہیں آلام کی ظلمت تو کہیں مسرتوں کی تنویر ہے محبت

جس سینے سے بھی ٹکرایا، زخم دیے چھلنی کیا
درِ کمان سے نکلا اک آوارہ تیر ہے محبت

وصل کی مستیوں میں، ہجر کی تلخیوں میں امتحانِ ضبط ہے
ہے باعثِ خفگیِ خدا اگر، تو نفرت سے حقیر ہے محبت

دل دل کی دھڑکن مقصدِ تحلیقِ عالم ہے بسمؔل
کسی پیر و جواں کی نہ شاہ و گدا کی جاگیر ہے محبت

# بندش

لہو پی رہے ہو جاں کھا رکھی ہے
یہ کیا تم نے تعویذ تعویذ لگا رکھی ہے

کوئی کرتا نہیں، اگر کرے بھی تو کیا
ہم نے منزل اپنی سب سے چھپا رکھی ہے

ناکامیوں سے ہمیں سرور ملتا ہے
ہم نے زخموں سے دور دوا رکھی ہے

مت روکو ہمیں کسی کے در جانے سے
کیا جانو تم خدا نے کہاں شفا رکھی ہے

تمھاری بزرگی کو سلام ہے اے معتبر بزرگو
اپنی نفرت نسل در نسل تھما رکھی ہے

ہمیں کیسے نقصان پہنچائے گا کوئی
خدا کی رضا میں اپنی رضا رکھی ہے

بسمل کے قلم سے کسے دشمنی یارو
بسملؔ نے یہی دولت، یہی غذا رکھی ہے

# اُمید کا دیا

اٹھو کہ ہمیں رفتارِ وقت سے قدم ملانا ہے
مایوس بجھے دلوں میں اُمید کا دیا جلانا ہے

اِسلام کا سبق ہمیں دنیا کو سکھانا ہے
گلزاروں کو بچانا ہے پہاڑوں سے ٹکرانا ہے

تھامے جو یہ کشکول ہیں انھیں توڑ ڈالو
ہمیں گھاس کھا کر جینا ہے مگر سر اٹھا کر جینا ہے

کوئی بھی غم ہو بانٹ کر پینا ہے
ہر زخم ہمیں اپنا سمجھ کر سینا ہے

یہ فصل نفرتوں کی جلا ڈالو
ہمیں یہاں امن کا بیج بونا ہے

قدم سے قدم ملا کر منزل کو جانا ہے
ہو جو ایک دانہ بھی بانٹ کر کھانا ہے

ہر تدبیر تیری ناکام رہے گی اے دشمن
جان لٹا کے ہمیں اس چمن کو بچانا ہے

دھرتی کے ذرے ذرے کو گوہر بنانا ہے
جیئے جو تا قیامت وہ پاکستان بنانا ہے

---

# پھوپھی کی وفات پر

پھوپھی سب کچھ بھلا کے سو گئیں
درد کے قصے سلا کے سو گئیں

لب لب پہ ذکر ہے اُنکا
دل دل میں سما کے سو گئیں

رخ اُنکا چمک اٹھا مانندِ قمر
دمِ آخریں کلمہ سنا کے سو گئیں

وہ الفت کے کنول لیے پھرنے والی
یادوں کے جام پلا کے سو گئیں

اُنکی روح کو سکوں اب ملا ہے
خاکی بچھونا بچھا کے سو گئیں

انھیں کچھ گلہ نہ تھا تم سے
وہ حالات سے گھبرا کے سو گئیں

دشت تک آشنا تھے انکے غم سے
وہ ہر سوئے کو جگا کے سو گئیں

غمِ دوراں اک خواب تھا ان کیلئے
وہ یہ خواب بھلا کے سو گئیں

غم کتنے ہی ہوں مٹ جائیں گے
وہ یہ صدا لگا کے سو گئیں

بنجر دل سیراب ہوئے ہیں بسمؔل
''اوترنہ'' کو اشکوں سے نہلا کے سو گئیں

———

ہر دل پہ دولت کا راج ہے
اسی لیے تو ہم غیروں کے محتاج ہیں

سر بزم ناچتی ہے بنتِ آدم
ہر سو اچھلتے غیرت کے تاج ہیں

———

بے حیاؤ بے حیائی کے بازار اٹھا لو
زمانے کی مرتی حیا بچا لو

چراغِ دل اس قدر روشن کرو کہ
مہ وانجم ہوں سامنے رخ وزلف چھپا لو

آہِ گل وشاخ دل میں تمھارے اتر جائے
احساس کے ساگر میں اس قدر نہا لو

ردا ظلمت کی جو اوڑھ لے شب
قافلوں کی رہبری کیلئے خود کو جلا لو

تازگیِ دل کیلئے پلکوں پہ موتی سجا لو
ان بے رنگ آنکھوں کو گل وگلفام بنا لو

خزاں کے لمحوں کو تدبیرِ الٰہی جان کر
ہر لمحے کو لطف و بہار بنا لو

---

ہے میرے شہر میں سستی رسوائی بہت
غریبوں نے شب و روز، سرِ عام کھائی بہت

سنگ دلوں پہ ذرا خراش تک نہ آئی
بے کسوں نے داستانِ غم سنائی بہت

میرے ہمسائیوں کی خبر خدا جانے
میں نے مسرتِ عید منائی بہت

ردائے دولت میں لپیٹ کے رکھی امیروں نے
غریبوں کی آبرو مگر، بانسوں پہ نچائی بہت

بن کے بہرہ میں سر جھکائے گزر گیا
بھیکاری کی صدا کانوں سے ٹکرائی بہت

حیف کوئی پروانہ نہ ہاتھ آ سکا
ہم نے ذات اپنی جلائی بہت

غریب کس پیڑ کی چھاؤں میں لے پناہ
اک موت حرام، دوجا مہنگائی بہت

کرتے ہیں سجدہ فقط جنت کی طلب میں
ہم میں خود غرضی و بیوفائی بہت

دنیا آئینوں پہ ہی نظریں جمائے رہی
ہم نے صورت اپنی سجائی بہت

جلوت سے گھبراتا ہے اب جی میرا
ہے شاید حصے میں میرے تنہائی بہت

خدا ہی میری نظریں جھکائے تو بات بنے
یہاں تو ہر سو ہے بے حیائی بہت

اے خدا اک منفرد مقام چاہتا ہے بسملؔ
دنیا کے تو ہیں یہاں شیدائی بہت

---

# مسیحا

ایسے مسیحا کی تلاش ہے مجھے
جو رہزن ہو
ایسا رہزن لوٹ لے جو
تیری یادوں کے قافلے
وہ قافلے جو زخموں سے لیس
رواں رہتے ہیں میرے دل کی جانب
لٹ جائیں تا کہ
مستقل رفو ہو جائے دریدہ گریبان میرا
اور میں ماضی کے دشت سے نکل کر
زیست کا سفر جاری رکھ سکوں

# فریاد

میں اک سانولی سی ویراں سی لڑکی
درد کی ماری خزاں سی لڑکی

کسی کو ہوتی نہیں محبت مجھ سے
میں اک ناکارہ پتھر بیجاں سی لڑکی

میں کیا کروں باپ میرا غریب ہے
اور کوئی میرا مسیحا نہ طبیب ہے

مجھے تو کوئی چاہتا ہی نہیں
جیسے میرے وجود میں دل دھڑکتا ہی نہیں

کیا میرا دل نہیں چاہتا کہ
میرے چہرے کو کوئی مہتاب لکھے

میری آنکھوں کو مے، لبوں کو گلاب لکھے
تصورِ وصل کے سمندر میں ڈوب جائے کوئی

تو کوئی میرے ہجر پہ کتاب لکھے
کیا میرا دل نہیں چاہتا کہ

ہو کوئی میرے ناز اٹھانے والا
میں پہن لوں اسے مجھے لباس بنانے والا

سونپ دوں میں اسکو ذات اپنی
ہو وہ سدا ساتھ نبھانے والا

کیا میرا دل نہیں چاہتا کہ
مجھ سے ملنے کے لیے کوئی تڑپتا ہو

میرے لیے ہی فقط اسکا دل دھڑکتا ہو
میرے غم میں بال بکھیر کے پھرتا ہو

اور میرے لیے ہی سنورتا ہو
کیا میرا دل نہیں چاہتا کہ

کوئی میرے ہجر میں روتا ہو
اشکوں کی لڑیاں پروتا ہو

میری یاد کی چھاؤں میں جاگتا ہو
اور میری دید کی خاطر سوتا ہو

کیا میرا دل نہیں چاہتا کہ
کوئی زلفوں کو میری گھٹا لکھے

دید کو میری بام و دوا لکھے
ڈوب جائے میری آنکھوں کے سمندر میں

اور مجھے اپنے ہر مرض کا مسیحا لکھے
مگر کیا کروں یہ سب کچھ ہوتا نہیں

میرے داغِ دل کوئی دھوتا نہیں
میں موتی موتی بکھری پڑی ہوں

کوئی مجھے خود میں پروتا نہیں
کیونکہ مجھے سنورنے کی فرصت نہیں ملتی

میں مزدور سی، کساں سی لڑکی
کسی کو ہوتی نہیں محبت مجھ سے

میں اک ناکارہ پتھر، بیجاں سی لڑکی
غربت کے میرے گھر پہ ڈیرے ہیں

میں بھکارن سی پریشاں سی لڑکی
درد کی ماری خزاں سی لڑکی

مجھے کوئی جو مجبوراً بیاہ لے جائے گا
وہ تو مجھ پہ لاکھ ظلم وستم ڈھائے گا

میں سوکھ کر ٹہنی سی ہو جاؤں گی
لاتوں سے کبھی باتوں سے جلائے گا

کیا یہی زندگی ہے خدایا
کیا یہی صلہِ بندگی ہے خدایا

جو سچ کہوں اگر تو
یہ سراسر درندگی ہے خدایا

پہلے کچھ ایسا سوچتی تھی
اور یہی میرا وہم و خیال تھا

حقیقت سے میں بے خبر تھی
اور دکھ سے میرا برا حال تھا

مگر اب جو رازِ زندگی آشکار ہوا ہے
دکھ میں بھی جینا بہار ہوا ہے

ہر حال میں صبر و شکر کرتی ہوں
جب سے حق کا اظہار ہوا ہے

یہ زندگی تو مختصر سی ہے
اک خام ساغر سی ہے

یہ جھوٹی محبت یہ جھوٹے پیماں چھوڑو
دکھاوے کے یہ ہم پر احساں چھوڑو

بتاؤ کہ آٹے دال کا بھاؤ کیا ہے
تبصرہِ دین و ایماں چھوڑو

یہاں توندوں میں بے تحاشا ٹھونس رہے
بد بختو کچھ اُدھر کیلئے بھی ساماں چھوڑو

چُنے ہیں جو انگارے پہل وہ چبا لو
رہزنو کوئی تو کارواں چھوڑو

پھول کچھ زندہ ہیں انھیں بچا لو
کس نے لوٹا ہے گلستاں چھوڑو

نارِ دہر سے پھلانگ نکلو
کس کا ہے، کیسا ہے مکاں چھوڑو

دیکھو وجود کس کو ملا ہے
رہا کون سا ادھورا ارماں چھوڑو

رحمتِ خدا کا شکر ادا کرو
کیوں آیا ہے مہماں چھوڑو

ان عارضی عہدوں پہ تکبر کیسا
امرا غریبوں کا گریباں چھوڑو

چلو محبت کے کنول اگاتے ہیں
سمیٹنے یہ تیر و کماں چھوڑو

اپنے گریباں بھی جھانکو کبھی
ہر پل برائیِ بادباں چھوڑو

یہ آرزو ہے ہر چہرہ بہار ہو
ظلمتو یہ جہاں چھوڑو

دکھ سکھ بانٹ لیا کرو بسملؔ
یہ ہنگامہِ کون و مکاں چھوڑو

---

جب تک یہ سانس چلتی رہے گی
شمعِ غم یونہی جلتی رہے گی

نادانی میں کھو کر دلوں کے سائباں
زندگی سدا ہاتھ ملتی رہے گی

وقتِ اجل نہ بدلے گا چاہے زہر پہ زہر پیو
مگر ہاں قفسِ عنصری میں روح تڑپتی رہے گی

رفاہیت پہ کبھی خزاں نہیں آتی
رفاہِ عامہ کی بیل سدا پھلتی رہے گی

پروانے مرتے رہیں گے شمع جلتی رہے گی
محبت کی یہ ریت یونہی چلتی رہے گی

بن مانگے باران برستی رہے گی
پیمانۂ عرش سے رحمت سدا چھلکتی رہے گی

انا کی جنگ میں جو عزیز کھو بیٹھا
زندگی اسے جابجا ڈستی رہے گی

یہ جدیدیت فقط امیروں کے لیے
غریب کی چوکھٹ دیے کو ترستی رہے گی

دانہ جہاں سونے کے بھاؤ بکنے لگے
وہاں بسمؔل آبرو سستی رہے گی

---

زنداں میں موت کے خدشات بھی ہوں گے
سانسیں ہیں اگر تو صدمات بھی ہوں گے

مانگی ہوئی قربتوں سے گھبرا جاؤ گے
راہِ الفت میں ایسے حادثات بھی ہوں گے

سورج کی تپش اس سہارے سہہ جاؤ کہ
دامنِ رت میں گوہرِ برسات بھی ہوں گے

دل کی حکمرانی ہے ہر رنگ ہر موسم پر
جیسا دل ہو گا ویسے حالات بھی ہوں گے

جانو درد کو احساس کا ستوں بسملؔ
درد ہو گا تو جذبات بھی ہوں گے

---

نہ یاروں کی نہ رشتہ داروں کی سازش ہے
بحرِ فریب میں ڈبویا ہمیں یہ بہاروں کی سازش ہے

اسلام تو غیروں سے بھی درسِ محبت دیتا ہے
ہم اپنوں سے جو ٹکرا رہے یہ دنیا بیماروں کی سازش ہے

استادہ ہوئیں جو کچھ تمھاری انا سے ہماری جفا سے
یہ جو ہم تم جدا ہیں انھیں دیواروں کی سازش ہے

ستم گروں کے ہاتھ آگے بڑھنے سے روکے نہ کسی نے
یہ جو پھول ہیں ٹوٹے ہوئے خاروں کی سازش ہے

داستانِ درد و الم بہت طویل ہے
پرونے کیلیۓ لفظوں میں، زندگی قلیل ہے

سنگِ آرزو برستے ہیں ہے دل پر
اس کہر سے آزاد غریب نہ اصیل ہے

غریب اکثر دل فراخ ہوا کرتے ہیں
جو جتنا امیر ہے اتنا بخیل ہے

بہت سے زخم کھائے بسمؔل مگر
دردِ محبت ہر درد سے ثقیل ہے

تجھ سے گلہ کیسا یہ تو دستورِ زمانہ ہے
سوکھے پتے شجر بھی بلا تکلف گرا دیتے ہے

یہ جانتے ہوئے کہ زخموں پہ نمک ملنا خصلت ہے تیری
پھر بھی نجانے کیوں زخم اپنے ہم تجھے دکھا دیتے ہیں

کسی کی پلکوں پہ تلملاتے آنسو اپنی آنکھو میں اتار لو
محبت کے شگوفے دہر کو بہشت بنا دیتے ہیں

آدم کی آنکھوں سے چھلکتے آنسو بیکار نہ جان
گرتے فرش پر ہیں، عرش ہلا دیتے ہیں

یہ جو زمانہ کر رہا ہے پیٹ میں انگارے بھر رہا ہے
حرام کے چار دانے فصل ساری جلا دیتے ہیں

اچھے اخلاق بد صورت کو بھی حسیں بنا دیتے ہیں
بد اخلاق حسیں چہروں پہ بھی داغ لگا دیتے ہیں

اس سے قبل کہ مایوسی دل پہ تمھارے دستک دینے لگے
غم کو پیرہنِ اشک دے کر آنکھوں سے چھلکا دو

بھٹک رہا میں در بہ در جا بجا بے وجہ
ایسا کرو دل کی راہوں کا مجھے تم پتہ دو

چار دن کی زندگی ہے کہیں بیت ہی جائے گی
یہی تمنا ہے تمھاری تو کاشانہ میرا جلا دو

---

◆

کسی وفا کے اب متلاشی نہیں ہم بسملؔ
حصے میں ہمارے بس تھوڑی سی دعا رکھ دو

◆

کہیں فرطِ مسرت سے مر نہ جائے بسملؔ
وفا کی حدوں میں رہا کرو

---

خود کو تنہا پا کر یاروں کو ڈھونڈتا ہوں
بے برگ و بار پیڑ ہوں بہاروں کو ڈھونڈتا ہوں

یہ زندگی کب مجھے اس دنیا سے نجات دے گی
غموں کے ساگر میں ڈوبا ہوں کناروں کو ڈھونڈتا ہوں

قدم قدم پہ بکھیرتی ہی گئی زندگی
مانندِ موت سمیٹ لیں جوان سہاروں کو ڈھونڈتا ہوں

لبادہ محبت کا اوڑھ کر نفرت پھرتی ہے یہاں
اپنوں کے شہر میں آپس داروں کو ڈھونڈتا ہوں

لین دین میں جہاں ترازو انصاف کرتا ہو بسملؔ
وطن میں اپنے میں بازاروں کو ڈھونڈتا ہوں

---

نفس کا غلام ہوں مجھے سلام نہ کر
اک شاعر گمنام ہوں مجھے سلام نہ کر

کہیں گردِ پا تو کہیں عرش کا تارا
میں گردشِ ایام ہوں مجھے سلام نہ کر

برگِ شاخِ بے جاں سی اوقات میری
گل نہ گلفام ہوں مجھے سلام نہ کر

دل کی بستی میں الفت کے خزانے آباد رکھنا
گرویدہ ہیں تمھاری چاہت میں جو انھیں شاد رکھنا

یہاں کسی صورت قبول نہیں نالاں و نالہ کش
جو عشق نگر آؤ تو دل میں زندانِ فریاد رکھنا

قید خانے کی سلاخیں دل و جسد کو کاٹتی ہیں
پر کاٹ دو پنچھیوں کے مگر انھیں آزاد رکھنا

دلِ غریب میں کیوں طنز و حقارت کے خنجر کھونپتے ہو
صدائے آہ عرش تک جاتی ہے یہ یاد رکھنا

روز و شب کے سجدے نار نہیں گلزار ہوں تمھارے لیے
یہ چاہتے ہو اگر تو اپنے ظاہر و باطن میں اتحاد رکھنا

کسی غرض سے جوڑے ناطے پل میں ٹوٹ جایا کرتے ہیں
خشتِ بے نیازی سے تم بسمؔل فصیلِ محبت کی بنیاد رکھنا

---

ہر شے سے اول ہر شے سے افضل ایماں رکھ دو
داغ لگنے نہ پائے اسے چاہے ہتھیلی پہ جاں رکھ دو

جامِ شوق پینے والو اک عرض ہے اگر سمجھو تو
اپنے دل کے جہاں میں تم اک شہرِ خموشاں رکھ لو

بہاروں کے متلاشی ہو حسارے کہاں قبول تمھیں
فصلِ گل و لالہ چن لو حصے میں ہمارے خارستاں رکھ دو

صداقت وہ باد ہے جو مٹا دیتی ہے ہر دروغ
صادق کبھی رکا نہیں کرتے راہوں میں چاہے جو امتحان رکھ دو

---

عجب درد ویکھیا پیار دا
کٹ جاندی عمر پل وچ
کٹدا نئیں لمحہ انتظار دا
خوشبو تے چھڈدی نئیں پھلاں نوں
مگر ٹٹ جاندا ذائقہ بہار دا
سرِ بازار وکدی نئیں اے محبت
کوئی دے نئیں سکدا مل یار دا

دنیا کو دولت کی ہوا لے ڈوبی
ہمیں تو اپنی ہی وفا لے ڈوبی

ہم ناداں خدا سے ستم مانگتے رہے
تیرے نام کی ہر دعا لے ڈوبی

خطا جو اُنکی تو کیوں منائیں ہم
کچھ بد نصیبوں کو اُنکی انا لے ڈوبی

غیروں نے اپنا بنا کر لوٹا بسملؔ
ہر پرائے پر بھروسے کی خطا لے ڈوبی

---

ہر پل تجھے بھولنے کے طریقے ایجاد کرتا ہوں
آج کل کچھ اس طرح سے تجھے یاد کرتا ہوں

---

کسے نوں عشق اندروں ساڑ کے انگار کیتا
کوئی مغرور بن، لا کے ہار سنگار پھردا

کسے نوں آ گئی راس ویرانی خزاں دی
تے کوئی تڑپدا وچ بہار پھردا

ہجر وچ ہوش رہندا نئیں اپنی ذات دا
ہر ویلے دیوانہ پکاردا یار یار پھردا

سب خوشیاں دل وچ دفنا کے تے
دیوانہ گل وچ پا کے غماں دا ہار پھردا

---

مجھ سے بچھڑنے والے سن ذرا اک بات میری
بچھڑا جو تو رہ گئی ادھوری ذات میری
یہ سخاوت تھی تیری بخشے مجھے جو ڈھیروں زخم
ورنہ ہوں نصیب غم تیرے کہاں اتنی اوقات میری

---

خدا و انام سے نہ بخت و حالات سے
مجھے تو بس گلہ ہے اپنی ذات سے

آبِ فراق پلا کہ کچھ قدر ہو تیری
اُکتا گیا میں تو تیری روز کی ملاقات سے

سوائے جن و انس کے نہ کوئی شے نافرماں ٹھہری
کبھی ایسا نہ ہوا لے جائے دن سبقت رات سے

اتار کوئی فرشتہ کہ ہو جس سے گفت و شنید
یہاں تو سنگ برستے ہیں بشر کی ہر بات سے

پرکھتا ہے زر و زمیں سے کسی کو خدا
تو کسی کی ہوتی ہے آزمائش آفات سے

آشوبِ محشر بڑا ہی وحشت انگیز ہے یارو
بھر کے لاؤ دو چار جام چشمۂ حیات سے

احساس کی چوٹیں کھائی ہیں ہم نے بسملؔ
بھر جائیں کیسے زخم ان ادویات سے

ہماری محبت میں وہ پہلی سی بات نہیں
شاید ہم بدل گئے یا پھر وہ حالات نہیں

ستم کے اب تو خو گر ہو گئے ہم
دامن کو میسر وہ پہلی سی برسات نہیں

دور بیٹھے یہ گفت و شنید کا تسلسل خوب ہے
مجھ بے ادب کو آتے اطوارِ ملاقات نہیں

یہ وہ فریاد ہے لفظ جسے قبول نہیں کرتے بسملؔ
موضوعِ ہجر پہ مجھ سے کرو سوالات نہیں

---

ہم نے پھر سے تجھے یاد کیا ہے
اجڑے ہوئے چمن کو پھر آباد کیا ہے
یہ دردِ دل تھا ہی لا علاج بسملؔ
ورنہ زمانے نے کیا کیا نہ ایجاد کیا ہے

---

انجمنِ دل کی رونق ان نوابوں سے ہے
چمن کی زینت جیسے مہکتے گلابوں سے ہے

نیند مجھے اب عزیز تر کیوں نہ ہو
دید انکی پیوست خوابوں سے ہے

مے اشک پیتا ہوں شام و سحر
دل نا آشنا ساقی تیری شرابوں سے ہے

ظلمتِ دل سے بے خبر ہر کوئی بسمؔل
گھر گھر روشن چراغوں سے ہے

---

چلو ان بے حس گلیوں میں سودہِ جذبات کرتے چلیں
اپنے ہاتھوں لہو اپنی ذات کرتے چلیں

اک طوفاں روکے رکھا ہے آنکھوں نے ہماری
گر اجازت ہو دامن کو نذرِ برسات کرتے چلیں

---

ہجر کی قتل گاہوں میں لاکھوں دیوانے مارے گئے
وصل کے سفینے سے سرِ دریا اتارے گئے

ظلم و جور کے کیا کیا نہ منظر دیکھے ہم نے
دل کی کلی پر سے درد کے قافلے گزارے گئے

ہر شے محوِ گردش ہے ہجر کیوں ساکت ہوا
بہار آئی تو خزاں گئی سورج نکلا تارے گئے

ہجر کی دار سے اتارنے مجھے وہ آتا بھی تو کیسے
بھنور میں پھنسے ہوئے کو بچانے نہ کبھی کنارے گئے

مُلا کی اذاں پہ سب بہرے ہوئے بسمل
شیطاں کی ندا پہ وارے سارے گئے

---

ضبط کا بندھن ٹوٹ جائے تو ذرا رو لینا
داغِ دل اشکوں سے دھو لینا

بلبل وار چلی آئے گی دنیا تمھاری جانب
دل کی کلی میں عنبرِ وفا سمو لینا

صحراؤں سے اٹھاتی ہے سدا بہار چشمے
یاقوتِ امید سانس کے تاگوں میں پرو لینا

عشق رہائی دیتا ہے در و دیوار سے
ردائے عقیدت اوڑھ کر چاہے دشت میں سو لینا

تلاشِ باوفا ہے تو پتہ سن لو بسملؔ
بندہِ خاکسار کے تم ہمسفر ہو لینا

تمازتِ تنہائی میں سر پہ میرے اک سایہ انجاں سا
کبھی دشمنِ جاں لگتا ہے تو کبھی جاں سا

برستا ہے وہ غموں کی دھار تو کبھی مسرتوں کی پھوار بن کر
وہ شخص ہے میرے جذبات کے امتحاں سا

میرا اپنا ہے پارۂ دل و جگر ہے وہ
ہے رویہ اس کا مگر کچھ مہماں سا

کبھی رونقِ بہار تو کبھی ویرانیِ خزاں
عشق کے پیچ و خم میں ہے رنگ گلستاں سا

راہِ عشق میں آرزو مانندِ سنگِ ثقیل
اس کی ٹھوکروں سے بندہ ہو جاوے ہے حیواں سا

میں تو اُس بن بے رونق و بیکار ہوں بسمل
اس گل سے ناطہ میرا کچھ گلستاں سا

بادِ عشق پہنچ نہ پائی کبھی گلزاروں تک
شبابِ کنول محدود ہے اسی لیے شاید بہاروں تک

ساگرِ ظلمت سے نہ نکل سکے ابھی تک فقط اسلئے
سدا یہ آرزو رہی کوئی کھینچ لائے کناروں تک

پانی کو پناہ مل جائے صحرا کو مسیحا مل جائے
یہ بھٹکتے دریا پہنچ جائیں جو کبھی ریگزاروں تک

یوں تو بسملِ حیواں پہ بھی تڑپ جاتے ہیں اہلِ دل
مزہ تو جب ہے کہ پہنچے آہِ دل یاروں تک

نگاہِ خطر سے تکتی ہے دنیا مسلماں کو کیوں
بوجہِ ہوا اسلام محدود مسجد کی دیواروں تک

زاریِ ہمسایہ کی وجہ تک معلوم نہیں
پا لی مگر انساں نے رسائی ستاروں تک

عشق کا بانکپن دنیا پرست کیا جانیں بسملؔ
مستی میں جھوم کے جاتی ہے گردن تلواروں تک

---

میرے در سے نکلتی ہی نہیں تنہائیاں
کیا خوب ہم نوا بخش گئیں یہ جدائیاں

کاذب گو ٹھہرتا ہوں لب پہ جو شکایت لاؤں
مقدر میں خود لکھیں تھیں ہم نے رسوائیاں

---

ہمیں حالات سے مقدر سے گلہ کب تھا
وہ ہمارا تھا مگر ہمیں ملا کب تھا

نئ ہے یہ وفا کے عوض وفا کی ریت
ورنہ محبت کی گلیوں میں تصورِ صلہ کب تھا

میں تو ڈوبا رہا دردِ زخمِ دل میں
رفوگر ہی جانیں گریباں میرا سلا کب تھا

غم کا نشہ اجرت طلب نہیں کسی صورت
بے درد کو مگر یہ نصیب ہوا کب تھا

عشقِ زر نے بے حس کیا انساں کو ورنہ
ان بھری وادیوں میں رنگِ صحرا کب تھا

مشکلات جینا آسان کرتی ہیں بسمؔل
پہاڑوں کا مکیں ڈھلوانوں میں گرا کب تھا

---

قدم قدم پہ محبت کا ہم اظہار بہت کر چکے
چلو موضوع بدلتے ہیں تذکرہِ یار بہت کر چکے

اے چارہ گر عہدِ ہجر میں ہی جینے کا فن سکھا دے
وصل کا تو روز و شب ہم انتظار بہت کر چکے

قدموں تلے روند کے انا تیری جانب لپکیں گے
دل کی آرزوئے وصل سے ہم انکار بہت کر چکے

پا کر عروج زوال کا رخ کرتا ہے عارضہِ محبت
شاید بازی پلٹنے کو ہے ہم خود کو بیمار بہت کر چکے

---

خزاں کے دستے جب بھی گلستاں سے ٹکرا گئے
تحتِ شاخ سے گر کے گلاب زمیں پہ آ گئے

انکے جور و ستم کا کچھ خوف نہیں ہمیں
ہم تو انکی پل بھر کی خفگی سے گھبرا گئے

کیسی یہ وفا میری کہ چھن گئی انکی مسرتیں
وہ آئے تو خفا آئے گئے تو خفا گئے

وصل انکا کیا کیا غم نواز گیا بسملؔ
وہ دل کے خوابیدہ زخم جگا گئے

---

بہارِ وصل ہے اگر تو دردِ ہجر بھی ہے
ادائے محبت کچھ موسموں سی ہے

لکھتا ہے جو محبت کو بہار فقط
شاید دردِ ہجر سے وہ اجنبی ہے

منسوب ہیں اس محبت سے عبادتیں کئی
غم خواری و پردہ داری بھی بندگی ہے

ہم ٹھکرا دیں ضرور اس بادِ بہار کو
مگر لالہِ دل کے اجڑ جانے کی تنگی ہے

ہوں مجرم آپ، گلہ کس سے کروں
صحرا سے آب کی آرزو کی ہے

ہوتا تجھ سے عشق اے خدا تو ہم وفا کو نہ ترستے
جو شے بھی ہم نے طلب کی وہ تو نے دی ہے

---

جیتا ہے تو اگر تو ہم بھی ہارے نہیں
عشق نے کبھی مسافر سرِ راہ اتارے نہیں

تیری باتوں پہ اعتبار میری مجبوری تھی
آنکھوں کو میسر دل کے نظارے نہیں

وفا کیش تھا ہی جو لوٹا جفا شعاروں نے
شاخِ بے ثمر پہ ورنہ کسی نے پتھر مارے نہیں

چین و قرار لٹ گیا اگر تو نا امیدی کیسی
کونسا بیوپار ہے ایسا جس میں خسارے نہیں

دستِ دار کش سے چھوٹا جو، قدرِ حیات جانے وہ
لذتِ وصل کہاں نصیب ہجر میں جس نے دن گزارے نہیں

سانسِ آخریں تک جاری ہے جستجو بسمؔل
کچھ رازِ عشق پڑھ پایا مگر سارے نہیں

حاصلِ تقریر دیکھو لبِ تقریر نہ دیکھو
کسی دریدہ دامن و گریباں کو حقیر نہ دیکھو

عشق کی بازی بازیِ وفا ہے
اس میں غریب و امیر نہ دیکھو

سنگِ مقدر تراشتی ہے جفا کشی
ہاتھ کی لکیروں میں تقدیر نہ دیکھو

شبِ تار میں، میں بھی اک سورج ہوں
دن کے پہر میری تنویر نہ دیکھو

تم تپشِ تڑپِ وصل بڑھاتے جاؤ
گرد اپنے ہجر کی کڑی زنجیر نہ دیکھو

کہیں بانکپن تمہارا قتل نہ ہو جائے
سرِ مقتل سوئے شمشیر نہ دیکھو

رقیب و رفیق کے ٹھکانے ایک ہوئے بسملؔ
کمان دار کا نشاں جائے تیر نہ دیکھو

---

زہر کے ساغر کو جامِ شفا کہتے ہیں
یہاں غریب زندگی کو سزا کہتے ہیں
موت کے منتظر بیٹھے ہیں بسملؔ
قتل گاہوں کو لوگ بیتِ شفا کہتے ہیں

---

عشقِ ازلی کا جو نعرہ مار گئے
بے ناؤ وہ سمندر پار گئے

رو رو کے دورِ ہجر کاٹا ہم نے
رلا کے ہمیں وہ وصل گزار گئے

لب ساکت ہوئے یہ بات ہے الگ
شکوے ہزار لیے ہم کوئے یار گئے

رچا ہے سحر خانہ تیری آنکھوں میں
رُوبرو تیرے آئے جو، بیمار گئے

خود وہ بزم کا چراغ ہو چلے
ہمیں ظلمتِ تنہائی میں اتار گئے

لڑک جاتے ہیں اشک اب خود بخود
ہم اپنے ضبط کا نگر ہار گئے

لبوں سے جنکے خوشبو بکھرتی تھی بسملؔ
وہ بچھڑے تو ہم سے باغ و بہار گئے

---

زخمِ دل اپنے لفظوں کی نذر کرتا ہے
بسمل نہ شاعر ہے نہ ادیب ہے یارو
دل میں کوئی صدا دبائے رکھتا نہیں
دیکھو بسملؔ کس قدر عجیب ہے یارو

---

عشق کی پر کیف فضاؤں میں سو لے کوئی
میں بکھری خوشبو ہوں مجھے خود میں سمو لے کوئی

تشنگی سے بھرا ہوا جیسے صحرا بچھا ہوا
حالِ دل پوچھ کے داغ و زخم میرے دھو لے کوئی

وجود کی جنگ میں میں اندر سے پارہ پارہ ہو چلا
میری ذات کے موتی محبت کے تاگوں میں پرو لے کوئی

زخم کھا کے آنکھ کا برسنا رسمِ عام ہے یہاں
مزہ تو جب ہے کہ زخم دے کے رو لے کوئی

وہ خوشبو پھیلے گی بسملؔ کہ ہر دل مہک اٹھے گا
لالہِ عشق کی بند پتیاں کھولے کوئی

---

غمخوارو موت کو میرا سلام لکھ بھیجو
منتظر بیٹھا ہوں اسے یہ پیغام لکھ بھیجو

---

شکستہ کونپلِ دل کو بہاروں تک چھوڑ آئے کوئی
سرِ دریا ڈوب رہا میں کناروں تک چھوڑ آئے کوئی

کتابِ ہستی کا بابِ دل نہ پڑھ پایا کوئی اپنا بھی
بے سہارا ہوں مجھے سہاروں تک چھوڑ آئے کوئی

ہم بھی خرید کے لائیں اک دل پتھر سا آنکھیں بنجر سی
جہاں میسر یہ خزانے مجھے ان بازاروں تک چھوڑ آئے کوئی

اس جوئے بام سے ہوا آئے گی کچھ تو درد میں کمی ہو گی
مجھ مریضِ غم کو کوئے یار کی دیواروں تک چھوڑ آئے کوئی

پھول جو ٹوٹ چکے وہ حسنِ چمن پامال کرتے ہیں
ریزہ ریزہ دل کو میرے ریگزاروں تک چھوڑ آئے کوئی

وہ قربت کے لمحے آج بھی بن کر تیر برستے ہیں مجھ پر
مجھے وصل کے ان بہشتی نظاروں تک چھوڑ آئے کوئی

ان سے نسبت ہو گی تو مجھ بے نام کو نام ملے گا
میں قطرہ ہوں بسمل مجھے آبشاروں تک چھوڑ آئے کوئی

---

بہار آتی ہے مگر پھول کھلنے نہیں دیتا
وہ ستم ظریف دیوارِ ہجر گرنے نہیں دیتا
یک طرفہ وصال ہے اپنی اس محبت میں
وہ خود ملتا ہے مگر ہمیں ملنے نہیں دیتا

---

سنو میرا سخن میرے اشعار کیا کہتے ہیں
میری رگوں میں درد کے دریا بہتے ہیں
ذرا غم ستائے پلکیں بھیگ جاتی ہیں
پھوٹنے کے لیے اشک ہر پل بیتاب رہتے ہیں

---

میرے صحن کا پھول ہے نہ نجمِ آسماں ہے
تو تو فصلِ خاراں میں رقصاں یاقوتِ تاباں ہے

موسم موسم تیرے اندر تو اک بہتا سمندر
وصل تیرا بہار سا جدائی تیری خزاں ہے

یادیں تیری مشک بار ہیں میرے وجود میں
تو دل کے پاس پاس مگر آنکھوں سے نہاں ہے

چپ ہوں اس لئے کہ طورِ کلام نہیں جانتا
میں اپنی اوقات میں ہوں بتا تو کہاں ہے

چلنے سے ذات اکتائی ہے رکوں تو رسوائی ہے
فصلِ خاراں پہ بچھی میری ردائے جاں ہے

---

میں خفا ہوں دنیا سے دنیا خفا ہے مجھ سے
کچھ یوں اٹھا دنیا سے جیسے میں تھا ہی نہیں

---

تھوڑی تھوڑی بہار زیادہ خزاں رکھنا
اے خدا میرے دل میں غم سدا جواں رکھنا

مجھ پہ چھا گیا ہے اشکوں کا اک کیف سا
میری آنکھوں میں برسات یونہی رواں رکھنا

نفرتوں کی دیوار گرا دے داغِ انا مٹا دے
سب کے لیے کھلا میرے دل کا مکاں رکھنا

وہ جو ہم سے خفا خفا سے رہتے ہیں
زندگی کا ہر ہر امتحاں انکے لیے آساں رکھنا

وہ چاند جو مل گیا تو اپنی قدر کھو بیٹھے گا
یونہی پہنچ سے ہماری دور آسماں رکھنا

تیرے کرم سے ہم تیرے ہاں چلے آتے ہیں
ہم بے سہاروں کو یونہی در پہ مہماں رکھنا

بسملؔ مانگ کے لایا ہے تجھ سے گلزارِ سخن
گل و لالہ میں رنگ و بو سدا جواں رکھنا

کوئی جا کے لے خبر حیات کی خزاؤں سے
کیوں اب ڈرتی نہیں یہ دعاؤں سے

فصیلِ چمن کی شکستہ ہوئیں دیواریں
اور گلوں کی ہوتی نہیں دوستی ہواؤں سے

دل کی چبھن کے ہیں بام عجیب و غریب
یہ وہ زخم ہے بھرتا نہیں جو مسیحاؤں سے

نظرِ یار کا منتظر ہے شکستہ وجود میرا
داغِ دل دھلتے نہیں دواؤں سے

ذکرِ گل و بہار چھیڑیں تو کیسے
چمن سارا گونج رہا ہے فقط آہوں سے

ہم بھی کبھی اک ساتھ چل رہے تھے
جو بھول گئے ہو تو پوچھ لو راہوں سے

حکمِ الٰہی ہوا پھر تو ٹھیک ہے بسرّ و چشم
وگرنہ ہم نہ جائیں گے اپنے گاؤں سے

---

جو صدا ان کے لبوں سے روانہ ہوئی
سماعتوں سے ہماری ٹکرا کر خزانہ ہوئی

ہم اسے بھولنا بھول گئے
یہ خطا ہم سے روزانہ ہوئی

اک کیف سا چھایا رہتا ہے بے پیے
جب سے بستیِ دل آتشِ غم کا نشانہ ہوئی

---

غم قید کرنے تھے سراغِ جیل نہ مل سکا
بجھے چراغِ دل کے لیے دو قطرے تیل نہ مل سکا

ہم بابِ دل کھولتے کوئی پڑھتا شوق سے
کھیلنے کے لیے مگر ایسا کھیل نہ مل سکا

---

آگ بجھ بھی گئی تو دیر تک سلگتے رہے انگارے
کچھ یوں زندہ رہی محبت تیری دل میں ہمارے

دھیرے دھیرے بادِ دوراں نے زخم بھر دیے سارے
مگر تڑپ تڑپ کے فراق کے افتتاحی دن گزارے

---

کسی کے ناز و انداز پہ مسکرا دیے
ہم اپنی ہی آواز پہ مسکرا دیے

ہجر میں جو تڑپے بے حساب
تو وصل کے آغاز پہ مسکرا دیے

گلوں کے زرد چہرے دیکھ کر
بلبل کی پرواز پہ مسکرا دیے

لمحہ لمحہ نشیب کوستے ہوں جسے
ہم ایسے فراز پہ مسکرا دیے

سجدوں میں حساب و کتاب کرتے ہیں بسملؔ
ہم اپنی نماز پہ مسکرا دیے

ذرا ہنس کر ذرا مسکرا کر پی جاؤ
غمِ جاناں و غمِ دوراں ملا کر پی جاؤ

مہر و وفا کے ساغر ٹوٹے پڑے ہیں
تم آنکھوں سے چھلکا کر پی جاؤ

سحر تک نہ بجھیں گے درد کے چراغ
تم چاند ستاروں کو رلا کر پی جاؤ

لطفِ غم کی ہو انھیں بھی خبر
تم یاروں کو پلا کر پی جاؤ

مانا کہ درد و الم سے بیر ہے زمانے کو
ایسا کرو بسملؔ چھپ چھپا کے پی جاؤ

---

دل کے درد سہنے چلی ہیں آنکھیں
چپکے چپکے بہنے چلی ہیں آنکھیں

میرے لبوں پہ طاری سکوت نہ دیکھ
تجھ سے کچھ کہنے چلی ہیں آنکھیں

آئینے کو آئینہ تکنے لگا ہے
آنکھوں میں رہنے چلی ہیں آنکھیں

آنسوؤں نے پیمانۂ درد توڑ دیا بسملؔ
زخمِ دل کو بام دینے چلی ہیں آنکھیں

---

جب سے ہم بیچ فاصلے بڑھنے لگے
تیری یادوں کے قافلے بڑھنے لگے

---

یہ جو غم کی ردا اتار کے بیٹھے ہیں
در حقیقت لطف و مسرت ہار کے بیٹھے ہیں

ہواؤ آج ذرا مستی اپنی ضبط میں رکھنا
آج مدتوں بعد ہم زلفیں سنوار کے بیٹھے ہیں

اے بادِخزاں تیرے جور وستم سے گھبرانے والے نہیں ہم
ہم تو قدم قدم پہ موت کو پکار کے بیٹھے ہیں

سادہ مزاج لوگوں کی قربت سا خمار کہاں
کسی کی چاہت میں ہم چار دن گزار کے بیٹھے ہیں

درد و الم نہ رہیں تو دوائیں بیمار پڑ جاتیں ہیں
ان حالات میں طبیب و مسیحا کی ادائیں بیمار پڑ جاتیں ہیں

دل کی گہرائیوں میں گھر کر جائیں جو نظارے
وہ نظارے نہ رہیں تو نگاہیں بیمار پڑ جاتیں ہیں

عرش پہ پہنچنے سے قبل ہی دم توڑ دیتی ہیں
شیشۂ دل میلا ہو تو دعائیں بیمار پڑ جاتیں ہیں

لفظ خودکشی کرتے ہیں لب سل جاتے ہیں بسملؔ
بزمِ یار میں اپنی صدائیں بیمار پڑ جاتیں ہیں

---

ہجر و فراق کے غبار سے نہیں ڈرتے
ہم شکستہ دل غمِ یار سے نہیں ڈرتے

الفت و عاجزی سے جو کرے کوئی
ہم ایسے انکار سے نہیں ڈرتے

ہنس کر کبھی رو کر سہہ جاتے ہیں
ہم محبتوں کی مار سے نہیں ڈرتے

دل حاضر ہے ہر گھڑی ہر پل
ہم اس طور کے ادھار سے نہیں ڈرتے

انھیں روزگار کے غم ملتے ہی نہیں
جو غمِ روزگار سے نہیں ڈرتے

باظرفوں کی بزم میں سر جھکائے بیٹھے ہیں
ہم مگر بسمؔل کسی گناہگار سے نہیں ڈرتے

یہاں زخمِ مظلوم کی دوا نہیں ملتی
جرم عام ہیں مجرم کو سزا نہیں ملتی

تم لٹے چین و قرار کو روتے ہو
یہاں جاں تک لٹا کر وفا نہیں ملتی

عقیدہ نہ ہو پختہ جس کا
کسی در سے بھی اسے شفا نہیں ملتی

کیسے اپنا ہمسفر چن لیں اسے
جس سے اپنی کوئی ادا نہیں ملتی

شبِ فراق کا انتخاب کر لے بسمل
اگر تجھے کوئی قتل گاہ نہیں ملتی

میری خامشی کو کسی صورت زوال نہیں آتا
خود کچھ بولو مجھے تو کوئی سوال نہیں آتا

غمِ دوراں خودکشی کر لیں سارے جب
گردشِ دوراں میں کبھی بھی ایسا سال نہیں آتا

منہ مانگے داموں ہم خوشی سے خرید لیں
کچھ ایسا اس شہر میں اب مال نہیں آتا

اندر ہی اندر درد کے دریا بہتے ہیں
زباں پر مگر دل کا حال نہیں آتا

زخم سے ڈرنے والے بیٹھے ہی رہ گئے
بنا چوٹ کھائے چلنے کا کمال نہیں آتا

ہر موسم میں خوش رہنا سیکھ لو تو اچھا ہے
موت سے قبل غموں کا وقتِ انتقال نہیں آتا

دانہ پھینکنا لازم ہے یہاں بسمؔل
بے وجہ پنچھی سوئے جال نہیں آتا

مسرتوں کے کارواں مر جانے دو
میرے درد کے پیمانے بھر جانے دو

بیتاب ڈھونڈتی ہیں تمھیں یہ آنکھیں
ان نگاہوں کو اب گھر جانے دو

قربِ بہار کی قدر آئے پھولوں کو
انھیں کوئے خزاں سے گزر جانے دو

بے حیائی کے پانیوں میں ڈوبا ہے زمانہ
لوگو یہ چڑھتے دریا اتر جانے دو

ہمیں زخمِ حیا پہ مرہم رکھنا ہے بسملؔ
چاہے گریباں چاہے سر جانے دو

---

◆

کسی کو تیرے غم نے رلا دیا
اور کسی کو یہ غم کہ اسے غم نہ ملا

---

شمع خود کو جلا کے بھرتی ہے پیمانے
مچلتے شعلوں کی تپش پروانے پی جاتے ہیں

بیگانوں سے ہم دامن بچا کر گزرتے ہیں
سینے سے لگا کر لہو یگانے پی جاتے ہیں

قربِ ساقی میں لرزتے ہیں جذبات اپنے
ہم دور سے دید کے پیمانے پی جاتے ہیں

یہ ناداں اُس جہاں بہت پشیماں ہوں گے
حسن و شباب جن کا زمانے پی جاتے ہیں

حاصل کر لیتے ہیں خدا کا قرب اسی بہانے
وہ جو صبر سے غم کے پیمانے پی جاتے ہیں

اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں مقدر اپنا
ہم تصور کے سستے خزانے پی جاتے ہیں

خاموش رہتے ہیں لب کھولتے نہیں گل و لالہ
مفت میں بلبل کے ترانے پی جاتے ہیں

چار پل یادوں کے کوچے ٹہل کر بسمؔل
ہم وہی نشے پرانے پی جاتے ہیں

---

ذکر بیوفاؤں کا چھیڑوں تو بہت سے مجرم ٹھہریں گے
اک زخموں نے ہی نہ چھوڑا اپنا بنا کر مجھے

مت چھینے کوئی مجھ سے یہ ویراں شب کی رنگینیاں
چلی آتی ہیں کسی کی یادیں تنہا پا کر مجھے

---

آرزوؤں کے بجھے چراغ تحریر کرتے چلیں
چلو ہم بہار کے آخری لمحے تصویر کرتے چلیں

مسرتوں کے نگر اک درد بھی رہتا ہے
چلو ہم اس درد کو نظر شمشیر کرتے چلیں

سنگ باری تو جاری رکھ اے ستم گر
تیرے ستم کے سہارے صبر اپنا بے نظیر کرتے چلیں

ٹھنڈے پڑ جائیں گے ناز و ادا تیرے
ہم اگر چاہت اپنی حقیر کرتے چلیں

بہار پھولوں میں بھر کے زہر پھرنے لگے
اگر ہم عہد کے ہاتھ اپنی تقدیر کرے چلیں

---

ہمیں محبت کے غم اچھے لگتے ہیں
اس راہ میں نین نم اچھے لگتے ہیں

ہم نے ہجر و فراق میں لذت پائی ہے
ہمیں درد کے موسم اچھے لگتے ہیں

بے خم شجر بے ثمر ہی رہتے ہیں
حسیں پھولوں کے سر خم اچھے لگتے ہیں

غمزدہ آنکھیں اک کشش رکھتی ہیں
زخمِ دل بے مرہم اچھے لگتے ہیں

حرف درد بھی رکھتے ہیں دوا بھی بسملؔ
دل اور لہجے نرم اچھے لگتے ہیں

---

جب شام گزری ہو گی اسے غموں نے پکارا ہو گا
شبِ ہجر کی گھڑیوں نے اس پہ قہر اتارا ہو گا

پشیماں نظروں سے جب اس نے عرش کو دیکھا ہو گا
مہ و انجم نے اسے طنز کا کنکر مارا ہو گا

اس کا وہ فیصلہ زخم بن کر ابھرا ہو گا
جب اس نے دل کو گزرے لمحوں سے گزارا ہو گا

یادوں نے اس کے زخموں پہ خوب نمک اچھالا ہو گا
جب اس نے کھوئی ہوئی قدر کو للکارا ہو گا

سرِ بزم جب محبت کا تذکرہ چھڑا ہو گا بسمل
اس نے اشکوں کا دریا بڑی مشکل سے سنبھالا ہو گا

میرے غموں کو نار مل گئی
غنچۂ دل کو بہار مل گئی

میں ادھورا پورا ہو چلا
اِک در کو دیوار مل گئی

مسرتوں کے جام چلنے لگے
درد کو راہِ بازار مل گئی

پھول ہار میں سج گئے
قطروں کو آبشار مل گئی

رفتار دھڑکنوں کی مت پوچھو
اتفاقاً جو نگاہِ یار مل گئی

ہم رکے رہے پھر بھی بسملؔ
وقت سے رفتار مل گئی

ہم مسکرائیں گے تیری پلکوں پہ برسات ہو گی
کوئے عشق میں دیکھنا ایسی بھی واردات ہو گی

آنکھوں میں تیری اک دن پشیمانی چھلکے گی
جب بزم بزم ہم ہوں گے ہماری بات ہو گی

شبِ غم ہیبت ناک ہو کے چھائے گی سحر پہ
سورجوں کے عہد میں بھی پھیلی رات ہو گی

چاہت ہماری تیرے عیبوں کی پردہ دار ہے
ہم مٹیں گے تب تجھ پہ عیاں تیری ذات ہو گی

تو گلشن سے خار و برگ کی بھیک مانگے گا
اور تیری طلبِ حقیر کی تماش بیں کائنات ہو گی

تو دیکھتا جا بسملؔ کے اندازِ گداگری کو
تو پھول سہی دست میں میرے باگِ باغات ہو گی

غمِ دوراں سے غمِ یار بدل کے دیکھ چکے
ہم درد کے بازار بدل کے دیکھ چکے

ہر سمت سے زخم ہمیں ہی لگتا ہے
ہم رخِ تلوار بدل کے دیکھ چکے

کو بہ کو رچے ہیں یادوں کے ڈیرے
ہم کئی دیار بدل کے دیکھ چکے

بے حس ہیں جو انھیں زخم لگتے نہیں
ہم اپنی یلغار بدل کے دیکھ چکے

عقل یہاں بے بس ہے یارو
ہم ارادے بار بار بدل کے دیکھ چکے

پتی پتی دیوانگیِ بلبل پہ ہنستی ہے
ہم کئی گلزار بدل کے دیکھ چکے

کوئی گھر خالی نہیں بے سکونی سے آج
بسملؔ ہم در و دیوار بدل کے دیکھ چکے

---

گلوں کی گردنوں پہ اک تلوار چلے گی
روٹھ کر گلشن سے جب بہار چلے گی

وہ آوارہ پنچھی جب کسی اور نگر اڑان بھرے گا
آنکھوں کے در سے اشکوں کی قطار چلے گی

کئی اور معصوم حسرتوں کے آشیانے جلیں گئے
دل کے دشت میں جب ہجر کی نار جلے گی

---

ہم پیاسے پیاس میں جل گئے
اک ٹھنڈے لباس میں جل گئے

لاوارث پڑے ہیں حسرتوں کے جنازے
ہم وفا کی تلاش میں جل گئے

مر گئی بلبل خزاں کی ہیبت سے
پھول بہار کی آس میں جل گئے

شبِ ظلمت کا حال ستاروں سے پوچھو
کیوں خفا ہم سے رونق و مہک بہاروں سے پوچھو

صاحبِ عقل ہو کے بھی حماقت کی حد پار کیوں
ہاتھ سے تراشے بتوں کے پرستاروں سے پوچھو

زربفت کفن نہ کر پائے گا متاثر داروغہِ بہشت کو
کس کام کا یہ مال و زر دنیا بیماروں سے پوچھو

یہ چار دن کی دوستی یہ چار دن کی محبت تو ٹھیک ہے
دارالمقافات میں منہ موڑو گے کیوں یاروں سے پوچھو

اختتامِ زیست تک سفرِ آرزو جاری دیکھا بسمؔل
کہاں ہے اختتامِ آرزو دل کی دیواروں سے پوچھو

---

# یاد کی سوکھی پتیاں

یہ پھول کی پتیاں
جو پچھلے کچھ برسوں سے
اس کاغذ کی زینت
بنی ہوئی ہیں
ان میں نہ مہک باقی ہے
نہ شباب دِکھتا ہے
خزاں آتی ہے بہار آتی ہے
مگر ان پر بے اثر گزر جاتی ہے
نہ خزاں ان کو مزید بے رنگ کر پائے
نہ بہار ان میں مشک بھر پائے
اور نہ ہی بلبل کو طلب ان کی
مگر میرے لیے
ان میں یادوں کی اک رُت ہے
بچھڑے دوست کی وفا ہے

اک بھولی ہوئی دعا ہے
جب بھی تکتا ہوں انھیں
بیتے لمحوں کی تصویر
میری نم آنکھوں میں
آنسو بن کر تیرنے لگتی ہے
اور میری تنہائی
اک بزم کا روپ دھار لیتی ہے
اور ان سوکھی پتیوں کا شباب
رنگ اور پر کیف مہک
فقط میں محسوس کر پاتا ہوں
اور پلک کی نازک شاخوں پہ
اشکوں کے گوہر سجا کر
چپکے چپکے مسکاتا ہوں
اور یاد کے سمندر میں
غوطہ زن ہو جاتا ہوں

---

دل میں اُترے ہوؤں کو بھلانا ممکن کہاں
سورج کے شعلے پھونکوں سے بجھانا ممکن کہاں

رازِ حق سارے بندہِ بشر کھول نہیں سکتا
اک کوزے میں سمندر کا سمانا ممکن کہاں

دنیا پرست پہ حالات ترس نہیں کھاتے بسمؔل
کاغذی ناوَ کے لیے کنارہ پانا ممکن کہاں

---

چمن میں برگ و خار بھی تھے ہزاروں
فقط گل ہی کیوں بلبل کا ترانہ ہو چلا
اپنوں سے الجھتی ہے اب تلک روح میری
وہ جو کل ملا تھا آج یگانہ ہو گیا

---

ہواؤں میں جس نے دردِ محبت اچھالے یارو
زمانے نے بخشے انھیں بدنامیوں کے اجالے یارو

یہی ضرورتِ وقت ہے حفظانِ آبرو بھی
کہ دل کے خانوں میں رکھو دفن نالے یارو

اس سے گفت و شنید کو تڑپوں یا بوئے گل کو
جو پی کے آیا ہے جوئے بہاراں سے مشک کے پیالے یارو

زخمِ تیغ نہیں جو ہر آنکھ میں اتر جائے
دل دیکھ سکتا ہے فقط غم کے چھالے یارو

زہرِ جدائی یکساں اجاڑتا ہے جدا دلوں کو
شاخ بے رنگ ہوئی تو خاک میں مل گئے لالے یارو

ہے دل اداس بہت مگر کسی سے گلہ کچھ نہیں
بہارِ وصل دیکھ چکے تو ہجر بھی آ لے یارو

دونوں اطراف سے تیر ہم ہی پر برستے ہیں
کوئی تو مسیحا رزمِ محبت سے ہمیں نکالے یارو

تنہائیوں میں پیتے تھے جو وہ پیمانے یاد آتے ہیں
ہم غریبوں کو تیری یاد کے میخانے یاد آتے ہیں

اے رت دستِ ستم روک پھولوں کو شباب بخش
سرِ خزاں بلبل کو بہار کے ترانے یاد آتے ہیں

مہ و انجم جو ہاتھ آ جائیں تو قدر کھو بیٹھیں گے
بے گھر پنچھیوں کو بے چھت آشیانے یاد آتے ہیں

لہو اپنا بہا کر جو چمن کی آبرو بچایا کرتے تھے
اس دھرتی کو وہ لوگ پرانے یاد آتے ہیں

بادِ دوراں نے لوٹ لیے جو بسمل
وہ انس و لگن کے انمول خزانے یاد آتے ہیں

---

اے عشق جب سے ہم تیرے پانیوں میں نہائے ہیں
درد و الم، اشک و سوز، آہ و بکا اپنے ہمسائے ہیں

کٹ رہی ہے زندگی بدلتی رتوں کی طرح
کہیں وقت کی دھوپ کہیں یادوں کے سائے ہیں

آج ہر شخص کو لکھ دوں کیسے وفا شعار اے ہم نشینو
اکثر ہاتھوں نے سدا پتھر ہی برسائے ہیں

کانٹوں پر بھی کبھی نگاہِ نفرت ڈالی نہیں ہم نے
جب جب شاخ سے گرے سینے سے لگائے ہیں

چال نرالی چلتا ہے قدم قدم پہ روپ بدلتا ہے
عشق نے کئی دشت جلائے ہیں کئی سورج بجھائے ہیں

درد جب حد سے نکلا تنہائیوں میں بیٹھ کر رو دیے
ہم نے غم میں یہی دوا پی ہے زخم پہ یہی مرہم لگائے ہیں

کوئی درد اپنا جان پائے بھی تو کیسے بسمل
ہم نے جو جو زخم ملے سینے میں سلائے ہیں

---

شوق کے بازاروں میں رلتے مجھے شام ہو گئی
ذرا محبت نہ ملی تلاش میری ناکام ہو گئی

امیدِ وفا کسی سے رکھوں بھی تو کیسے
اجالا مٹ گیا ظلمت یہاں عام ہو گئی

مجھے ہر حال میں تیری ذات سے ناطہ جوڑے رکھنا ہے
چلو نفرت ہی سہی محبت تو یہاں بدنام ہو گئی

---

آج مجھ کو رلا دیا یارو شکریہ تمھارا
درد میرا پھر سے جگا دیا یارو شکریہ تمھارا

آج ٹوٹ کر رویا ہوں بے بسی پر اپنی
پیمانۂ صبر میرا چھلکا دیا یارو شکریہ تمھارا

میرے جذبات کا نہ رکھا ذرا پاس کسی نے
لہو میرا گرما دیا یارو شکریہ تمھارا

ملاؤ کچھ بھی پانی میں لہو بن نہ پائے
امتیازِ اپنا و بیگانہ بتلا دیا یارو شکریہ تمھارا

سخت خفا ہوں میں آج اپنی ذات سے
غم کو میرے بڑھا دیا یارو شکریہ تمھارا

میں جانتا نہ تھا کہ تنہا ہوں یہاں
تم نے آج بتلا دیا یارو شکریہ تمھارا

عالمِ خود غرضی میں جینے کا سوچ رہا اب
میرے جذبات کو جلا دیا یارو شکریہ تمھارا

سازش دلوں کی پڑھ لیتا ہوں چہروں سے
بسمؔل سوئے کو جگا دیا یارو شکریہ تمھارا

---

زہر رکھتی ہو جو اس دوا کا کیا کرنا
ان منافق لوگوں کی منافق عطا کا کیا کرنا
ہمیں تو الفت ہے بکھری ہوئی پتیوں سے
مسکاتی ہوئی کلیوں کی ادا کا کیا کرنا

---

اپنی عنایتوں کے مرہم و بام رہنے دے
اے عشق میری آنکھیں لالہ فام رہنے دے

بھیک مسرتوں کی بانٹ میرے غیروں میں
میرے ہاتھوں میں درد کا جام رہنے دے

گناہوں کی دھوپ میں جل رہا زمانہ سارا
میری گلیوں میں سایۂ شام رہنے دے

اتنا نہ اچھل کہ کناروں سے نکل جائے
میری چاہتوں میں اپنا نام رہنے دے

تیرے غم میں ہم رونا تڑپنا چھوڑ دیں
کیسے سہے گا تو یہ درد یہ آلام، رہنے دے

---

◆

میرے دل میں ذرا جو درد باقی ہے
یہی میرا نشہ، یہی میرا ساقی ہے

---

ہر شام کے بعد اک نئی شام ڈھلی جاتی ہے
یہ زندگی چپکے سے آگے کو بڑھی جاتی ہے

گل و گلستاں کے لیے انصاف کی جنگ لڑے کون
یہاں تو زیرِ پا انسانیت مسلی جاتی ہے

دلوں سے احساس کا پنچھی پرواز کر چکا
دنیا کو دنیا کی خوشی ڈسی جاتی ہے

آرزوؤں کا چھلکتا دریا جو نکال رکھ دوں
تو جسد کے باغیچے سے دل کی کلی جاتی ہے

شعلے اٹھتے تن سے تو دنیا یقیں بھی کرتی
محبت کی آتشِ بے دود سے ذات میری جلی جاتی ہے

بعد میں رقصِ بسمل تو تنہائیاں دیکھتی ہیں
یاد تو انکی دل کو چھو کر چلی جاتی ہے

سر جھکائے جو پھرو تو ہر شخص راضی مجھ سے
حق بات جو کروں بسملؔ تو دنیا روٹھی جاتی ہے

---

یوں ساکت بیٹھنے سے کیسے وصل کی رات آئے گی
ناداں قلابہ پھینکو گے تو ماہی ہات آئے گی

چھپا پاؤ گے کیسے اپنوں سے ان کی محبت
سٹھیا جاؤ گے جب بھی زیرِ بحث انکی ذات آئے گی

بیٹھو گے جب بھی ان کی بزم میں
ہاں نا کے سوا نہ تمھیں کوئی بات آئے گی

---

تو میرے روبرو ٹھہرے تجھے تکتے شام ہو جائے
میرے وجودِ خاکی میں سامانِ بادہ و جام ہو جائے

میری سماعتوں سے ٹکرا کر تیرے بول گیت بن جائیں
میری آنکھوں میں ڈوب کر تیری مسکان بام ہو جائے

تو مجھ سے ہو مخاطب کچھ یوں کہ زخمِ جگر جڑنے لگیں
ہر گردِ غم کا جھونکا خوشبو ہر برستا پتھر گلفام ہو جائے

---

وقتِ فرقت غم سے لبریز تیری آواز پہ رقصِ بسمل کیا ہے
تیری ذات سے پیوست ہر سوز و ساز پہ رقصِ بسمل کیا ہے

تلاشِ بہاراں میں سدا پنچھیوں کی سی روش رہی تیری
میں نے مثلِ آشیانہ تیری ہر پرواز پہ رقصِ بسمل کیا ہے

تیری خوشی کی خاطر سدا تیرے قدموں کی خاک بن کر جیا
میں نے تیرے دل خراش و سرد مہر انداز پہ رقصِ بسمل کیا ہے

کہیں باتوں میں کوئی بات باعثِ رنجش نہ بن جائے
اس خوف سے ہم نے ہر ملن کے آغاز پہ رقصِ بسمل کیا ہے

آہِ دلِ ناصبور سے عرشِ بریں تک ہلا ہو گا بسملؔ
ہم نے بلک بلک کر جائے نماز پہ وقصِ بسمل کیا ہے

---

گل و لالہ جس کا ہوں مقدر
زیرِ پا رلتے پتوں کی اسے کیا قدر

امیدِ وصل کے سہارے پہنچا میں اِدھر
مایوسیوں کا بار اٹھائے اب جاؤں کدھر

غم انکا اپنے اندر اک مٹھاس رکھتا ہے
انکے ستم کو کیسے کہوں میں جبر

سننا بسمؔل یہ دل کی صدا ہوا کرتی ہے
ہو جائے لبریز جب کسی کا پیمانۂ صبر

زیورِ سادگی پہ عرش بھی فدا ہو جاتے ہیں
پہن کر یہ پائیل بدل لو اپنا مقدر

چمن آرا کیا رکھا میں تو گل و گلزار سے گیا
برسات کی جو آرزو کی تو در و دیوار سے گیا

بادِ محبت دل کے سب خوشے توڑ گئی
میں پانچھویں رت کی جستجو میں ان چار سے گیا

انتظار کے پل جاں لبوں تک کھینچ لاتے ہیں
کوئی بازیچہِ زیست ہار بیٹھا تو کوئی ابصار سے گیا

میری خوشیوں کی کھیتی غموں سے سیراب ہوتی ہے بسملؔ
اشکوں کی پھوار سے کیا گیا میں تو فصلِ بہار سے گیا

---

بادِ نفرت ہے آج کل یہاں زوروں پر
ان حالات میں محبت کا دیہ جلاؤں کیسے

اس ناطے میں گلے شکوے قبول نہیں کسی صورت
محبت کے پیمانوں سے میں چھلک جاؤں کیسے

تنہائی پسندیدیت کو ناز ونخرے کا نام دیتے ہیں عزیز
خوف آتا ہے اژدھام سے میں سرِ بازار آؤں کیسے

---

نہ وہ آنکھوں کے پار ٹھہرتا
نہ میں عشق کا بیمار ٹھہرتا

ہے آرزو دید کی مگر دمِ دید نہیں
وہ آتا بھی تو میں پسِ دیوار ٹھہرتا

محبت کا یاں اگر راج ہوتا بسمؔل
غریب کے مقابل نہ یوں مالدار ٹھہرتا

---

ٹوٹے پتوں کو جیسے کوئی شجر کھینچ لے
تیری محبت کچھ یوں مجھے یکجا کرتی ہے

زمانۂ وصل میں یاداشت کا دیہ بجھا ڈالو
ورنہ ہجر میں یہ لمحہ بہ لمحہ ڈسا کرتی ہے

دل کی رت بہار ہو تو ہر موسم بہار دکھتا ہے
خارزاروں سے بھی اک پر کیف مہک اٹھا کرتی ہے

زمیں کانپ اٹھتی ہے آسماں لرز جاتا ہے
کسی شکستہ دل سے جب آہ اٹھا کرتی ہے

اٹھتے ہوں قدم جن کے رضائے خدا کے مطابق
منزل ان کے دم بہ دم قدم چوما کرتی ہے

ایک ہی خدا کے آگے سر جھکائے رکھنا
اسی کے آگے جھولی اپنی پھیلائے رکھنا

رسوائیوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے تم پر
زخم اپنے دل ہی دل میں چھپائے رکھنا

عیش پرست سنگدل ہوتے ہیں اکثر
تم پلکوں پہ اشک سجائے رکھنا

یہ متاعِ عارضی لوٹنے دو دنیا کو
تم دل میں محبت کے رنگ رچائے رکھنا

ورنہ مسرتوں کے رنگ پھیکے پڑ جائیں گے
دل کو غم کے ساغر پلائے رکھنا

دل کو خوب وسعت دو بسملؔ
مگر لبوں پہ تالے لگائے رکھنا

---

سر پہ غم کے بادل چھائے ہوئے ہیں
صحنِ دل میں تنہائیاں زلفیں بکھرائے ہوئے ہیں

جب سے ہوئی محبت کی خطا ہم سے
بہاریں بھی ہاتھوں میں سنگ اٹھائے ہوئے ہیں

غور سے دیکھو تو کھائیاں نظر آتی ہیں جابجا
دل پہ ہم کچھ ایسے گہرے زخم کھائے ہوئے ہیں

ڈوبتے سفینے کو منزل نظر آتی ہے نہ سہارا
کنارے ہم سے نظریں چرائے ہوئے ہیں

ہو ذرا مٹھاس جس میں ہم نگل جاتے ہیں
پھلوں کی ہم تاثیر بھلائے ہوئے ہیں

صبح شام بارانِ سنگ برس رہی ہے یہاں
اور ہم سر پہ زیست کا خام ساغر اٹھائے ہوئے ہیں

حالات کی آندھیاں تندی پکڑ رہی ہیں بسملؔ
اور ہم دل نازک میں معصوم امیدیں سلائے ہوئے ہیں

آیا کیسا عجیب دور ہے
آدم زاد ہی آدم خور ہے

پیمانوں کو اک نیا رنگ ملا ہے
امیر پاکدامن، دوشی کمزور ہے

چلو موسم کچھ دیر تو ٹھہرتے ہیں
انساں ہے کہ اِدھر اور اُدھر اور ہے

قانون چپ سادھ کے بیٹھا عدالتوں میں
ہر بستی کا اپنا اپنا طور ہے

اعتماد رہتا بھی تو کیونکر
گل و بار کا باغباں چور ہے

ایسی کیا خطا ہوئی ہم سے
کہ ہر ظلمت کا اِدھر ہی زور ہے

مسرتوں نے کفن پہن لیا بسمؔل
اب ہر سو ماتم کا شور ہے

———

◆

موجوں سے کھیلنے والے کنارے نہیں ڈھونڈتے
ہو منزل عزیز جنھیں وہ سہارے نہیں ڈھونڈتے

بہار رنگ و بو کی آرزو کیا کرے
عرش کے مکیں کبھی ستارے نہیں ڈھونڈتے

———

یہاں تو آج زندگی بھی جینے کو ترستی ہے
آرزوئے باراں کرو تو آتش برستی ہے

دل کی آب و تاب سدا کیلئے پرواز کر گئی
رونقِ بہار بھی خزاں بن کر ڈستی ہے

رُت اِسکی منحصر ہے مکینوں پر
دل کی بستی کچھ ایسی عجب بستی ہے

گوشہِ تنہائی میں دل تڑپ رہا اس قدر
جیسے بے آب ماہی بے حساب تڑپتی ہے

لہو میں وہ ہجر کا زہر گھول گیا بسمؔل
شبِ تنہائی سانپ بن کر ڈستی ہے

---

یہاں محبت کی کچھ قدر نہیں
وہ کب روٹھ جائیں کچھ خبر نہیں

اس ستم پرور میں خدایا دل کیوں نہ رکھا
ہزار ہا تڑپتے رہو اسے کچھ اثر نہیں

کو بہ کو جو پھرتا ہوں تو شوق میں
ورنہ میں بھیکاری نہیں، بے در نہیں

ابر کیا ستم کیا آج کی شب تو نے
کاروانِ مہ و انجم آج ہمسفر نہیں

ہوائے شوق جب سے چلی وجود میں
میں خود میں ہوتا ہوں مگر اکثر نہیں

انسان میں اتنا ناز و نیاز کیوں بسمؔل
جب معلوم یہ سب کو کہ یہ شباب امر نہیں

غم اتنے ملے کہ بے غم ہو گئے
ستم کے اب خوگرِ ہم ہو گئے

نالہِ دل ہم اس کو سنانے چلے تھے
روبرو اسکے سب شکوے ختم ہو گئے

منزل کو کیا فکر ان راہگیروں کی
آغازِ سفر میں ہی جو بے دم ہو گئے

مسرتیں ڈھونڈنے سے بھی ملتی نہیں
ہر سو اب الم ہی الم ہو گئے

انساں کی قدر رہتی بھی تو کیسے بسمل
دولت کے جو غلام ہم ہو گئے

---

یہ زندگی ہمیں کب پیاری تھی
عزیز ہمیں تو تیری یاری تھی

گردشِ دوراں نہ رلا پائے گی
ہم نے ہجر میں اک رات گزاری تھی

اپنی سمجھ کر عیش میں جیتے رہے زندگی
جب گزر گئی تب معلوم ہوا یہ تو ادھاری تھی

---

غم ساتھ ہیں جب تک ہم بقیدِ حیات ہیں
بے قصور یہ زمانہ بے قصور یہ کڑی حالات ہیں

---

شکستہ دل کبھی تعمیر نہ ہو پایا
کوئی بھی ارماں شرمندہِ تعبیر نہ ہو پایا

مشورہِ طبیب تھا بے وفا ہو جا وفا ملے گی
مگر اس قدر میں حقیر نہ ہو پایا

سانجھا سفر تھا جو ادھورا ہی رہ گیا
وہ دل تک پہنچا مگر تقدیر نہ ہو پایا

قصہِ درد لہو سے تحریر کیا تھا
سوال ان کے بھرم کا تھا تقریر نہ ہو پایا

رونقِ بہار اجاڑِ خزاں ہمسر ہو گئے
چراغِ دل بجھا ایسا کہ پھر تنویر نہ ہو پایا

---

ترازو میں جہاں دل تولے جاتے ہیں
وہاں زیرِ پا انساں روندے جاتے ہیں

دل کی چوٹ فقط دل تک محدود نہیں
وجود پورے میں اسکے شعلے جاتے ہیں

ایک ہی شخص کیوں یاد آتا ہے ہمیں
جب بھی یاد کے قصے کھولے جاتے ہیں

اجل تو در حقیقت غموں سے نجات ہے
نجانے کیوں جنازے کے پیچھے روتے جاتے ہیں

کسی جگر سوختہ کو مرہم لگایا تھا ہم نے
زخم اپنے اب خود بخود مٹتے جاتے ہیں

سفرِ حق کا ارادہ تو کر بسملؔ
دیکھ پھر کس طرح قدم اٹھتے جاتے ہیں

---

کہیں دست و پا کٹے ہوئے کہیں تن پہ کھال نہیں
اے رفقاء بزم یہ محبت کوئی بازیچہء اطفال نہیں

پنچھی آزاد بھی ہو تو اڑ نہیں پاتا
یہ وہ قید ہے جسکا کوئی جال نہیں

زخم خود کھریدتا ہے سوختہ جاں
ہجر وہ درد ہے جس کی مثال نہیں

پہل کچھ نازک تھا حال اپنا
اب یہ حال ہے کہ کوئی حال نہیں

بازباں ہو کر بھی بے زباں ہوں
شکوہ کروں تجھ سے میری یہ مجال نہیں

ہوئی خبر اسے جدائی میں مزید تڑپتا ہوں
اب تو تا حیات امیدِ وصال نہیں

اجل سے کیوں گھبرائے ہوئے ہے بسمل
غموں کا ہے یہ تیرا انتقال نہیں

ہو بسیرا جہاں تیرا وہاں بہار کیوں نہ ہو
ہم بے برگ و بار پیڑوں کو تیرا انتظار کیوں نہ ہو

غریب خانے میں کھل اٹھے جو تیرے لب کی کلی
سلگتے انگاروں کا یہ آتشداں گلزار کیوں نہ ہو

گل و لالہ ترستے ہیں تیری صحبت کو
گزرن ہو تیرے پاس سے، تو کوئی تیرا بیمار کیوں نہ ہو

بھولے سے وہ میری چوکھٹ پہ آئے ہیں بسمؔل
اے خدا ان سے یہ خطا بار بار کیوں نہ ہو

---

وفا کے عوض وفا مانگتے ہو
صاحب یہ عشق ہے سوداگری نہیں

---

کتابِ شوق میں تاجری کا باب کیسا
محبت میں یہ حساب و کتاب کیسا

دریا کبھی اپنی راہ چھوڑا نہیں کرتے
خود بدل جاؤ یہ انقلاب کیسا

ہمیں جدا رکھا ہے مقدر نے
بے مروتی کا یہ جواب کیسا

رضائے خدا و انام مقصودِ عاشق
سائلِ عشق خونریزِ شراب کیسا

# سرابوں کی دنیا

چل ناداں چھوڑ یہ سرابوں کی دنیا
بڑی نازک ہے یہ خوابوں کی دنیا

حسن لپٹا ہوا ہزار پردوں میں
کتنی بے لذت ہے یہ حجابوں کی دنیا

جہاں حد سے تجاوز کیا وہیں بہک گئے
پابندِ سلاسل ہے یہ حسابوں کی دنیا

تشنگیء دل نہ مٹا سکیں یہاں کے میخانے
بے نور ساقی، شکستہ جام، مجازی شرابوں کی دنیا

فرعوں کی خدائی بھی اک قصہ ہو گئی
کتنی نا پائیدار ہے یہ خام محرابوں کی دنیا

ہجر و وصال کے شعلوں میں جلتا ہے دل
ہائے! درد کی آغوش میں پلتا ہے دل

اپنا ہی گریباں چاک کر دیتا ہوں اکثر
اک عجیب تماشہ سا کرتا ہے دل

اِدھر غمِ فراق میں چور ہیں حوصلے میرے
اُدھر قربتوں کا سوچ کر لرزتا ہے دل

اِک حشر بپا ہے جسدِ ناپائیدار میں
فہم و ادراک سے جابجا لڑتا ہے دل

تازہ رکھتی ہیں یادیں زخم میرے ہر پل
شب و روز کربل و قہر سے گزرتا ہے دل

فقیری لبادہ نہیں، جب چاہے اوڑھ لیا جائے جو
بسملؔ برسوں کے مجاہدے سے سنورتا ہے دل